یہ جو صبح کا ستارہ ہے

از

عمیرہ احمد

یہ جو اک صبح کا ستارا ہے

آج اس کی زندگی کا پہلا انٹرویو تھا اور اپنی باری آنے سے پہلے ہی وہ یہ جاب مل جانے کی امید چھوڑ چکی تھی۔ وزیٹرز روم میں اس کے ساتھ جو دوسری لڑکیاں بیٹھی ہوئی تھیں، وہ ہر لحاظ سے اس سے بہتر تھیں اور وہ خود بھی ذہنی طور پر ان کے حق میں دستبردار ہو چکی تھی۔ مگر پھر بھی وہ انٹرویو دے دینا چاہتی تھی کیونکہ وہاں تک آنے میں وہ کافی کرایہ خرچ کر چکی تھی۔ وزیٹرز روم کے ایک کونے میں بیٹھ کر وہ خاموشی سے اپنے اردگرد بیٹھی ہوئی لڑکیوں کی باتیں اور قہقہے سنتی رہی۔ جس لڑکی کے چہرے پر وہ نظر ڈالتی، اسے لگتا کہ یہ جاب اسے ہی مل جائے گی اور وہ جاب بے شک سیکرٹری کی تھی مگر وہ جس فرم میں تھی اور اس کے اور اس کے ساتھ جو مراعات دی گئی تھیں وہ کافی کوالیفائڈ لڑکیوں کو وہاں کھینچ لائی تھی۔ وہ خود بھی صرف قسمت آزمائی کے لیے آئی تھی ورنہ اسے قطعاً کوئی امید نہیں تھی کہ جو دو لڑکیاں اس فرم کو سیکرٹری کے طور پر چاہئیں ان میں اس کا نام بھی ہو سکتا ہے اور یہاں آ کر تو وہ بالکل مایوس ہو چکی تھی اس وقت وزیٹرز روم میں ایک کونے میں بیٹھی وہ Odd one out کی بہترین مثال لگ رہی تھی۔ کسی قسم کے میک اپ سے بے نیاز چہرے اور گھٹنوں تک لمبی چادر میں خود کو لپیٹے وہ رنگین و سنگین ملبوسات اور لہراتے آنچلوں کی اس بھیڑ میں کافی احمق لگ رہی تھی۔

اب اسے یاد آ رہا تھا کہ صبح آتے ہوئے خالہ کی بات نہ مان کر اس نے کتنی بڑی غلطی کی تھی جو بار بار اس سے کہہ رہی تھیں کہ وہ اس قسم کی جاب کے لیے جانے سے پہلے اپنا ظاہری حلیہ تو ٹھیک کرے۔ انھوں نے بہت زور لگایا تھا کہ وہ چادر کے بجائے دوپٹہ اوڑھ لے اور کچھ میک اپ اور جیولری بھی پہن لے مگر وہ قطعاً نہیں مانی تھی۔ وہ خوفزدہ تھی کہ اسے اتنی دور جانا ہے اور وہ بھی اکیلے اور اگر وہ کچھ بج سنور کر جائے گی تو کیا ہوگا پھر اس کے ذہن میں یہ بھی تھا کہ وہ ایک فرم میں جا رہی ہے جہاں مردوں کی اکثریت ہوگی اور اگر وہ کچھ بناؤ سنگھار کر کے گئی تو پتا نہیں ان کا رویہ اس کے ساتھ کیسا ہو اور سب سے بڑی بات یہ تھی کہ اسے یہ امید ہی نہیں تھی کہ وہ اسے ملازمت دیں گے، کیونکہ وہ اشتہار میں موجود کوائف پر بھی پورا نہیں اترتی تھی وہ تو صرف اپنی جھجک ختم کرنے کے لیے آئی تھی۔ سو خود پر توجہ دینا اس نے ضروری نہیں سمجھا مگر اب اسے یہ سب باتیں احمقانہ لگ رہی تھیں۔

''اگر یہ سب لڑکیاں اس طرح یہاں آ سکتی ہیں تو میں بھی آ سکتی تھی۔ خالہ ٹھیک سمجھا رہی تھیں۔''

بار بار اس کے ذہن میں یہی خیال آ رہا تھا۔ اس کی باری آ ہی گئی تھی۔ فائل کو سینے سے لگائے چادر سنبھالتی دھڑکتے دل اور لرزتے قدموں کے ساتھ وہ اندر داخل ہوئی۔ اندر کا ماحول اسے ٹھنڈے پسینے دلانے کے لیے کافی تھا۔ وزیٹرز روم کی ڈیکور نے ہی اسے بہت مرعوب کیا ہوا تھا۔ لیکن یہ کمرہ اس سے بھی زبردست تھا۔ دروازہ کھولتے ہی اس کی نظر گلاس ٹاپ ٹیبل کے پیچھے ریوالونگ چیئر میں بیٹھے ہوئے ایک ادھیڑ آدمی پر پڑی تھی۔ دوسرا آدمی قدرے کم عمر تھا اور وہ ٹیبل کی دائیں طرف رکھی ہوئی دو کرسیوں میں سے ایک پر بیٹھا ہوا تھا۔

''پلیز تشریف رکھیے۔'' ٹیبل کے پاس پہنچنے پر ادھیڑ عمر آدمی نے اسے سامنے رکھی ہوئی کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا تھا۔

''پلیز اپنی فائل دکھائیں۔'' دائیں طرف بیٹھے ہوئے آدمی نے اس سے کہا تھا کانپتے ہاتھوں سے اس نے فائل اس کی طرف بڑھادی۔

''آپ کا نام؟'' ادھیڑ عمر آدمی اس سے پہلا سوال کیا تھا۔

''رومیصہ عمر۔'' اس کے حلق سے بمشکل آواز نکلی تھی۔ اس سے پہلے کہ وہ دوسرا سوال کرتا۔ کمرے کے بائیں کونے میں موجود ادھ کھلا دروازہ کھول کر کوئی کمرے میں داخل ہوا تھا اور دیوار کے ساتھ شیلف پر رکھے ہوئے کمپیوٹر کو کھڑے کھڑے آپریٹ کرنے لگا تھا۔ وہ صرف اس کی پشت دیکھ سکتی تھی۔ دونوں آدمیوں کی نظر صرف ایک لحہ کے لیے ادھر گئی تھی اور پھر دوبارہ ان کی توجہ اس پر مبذول ہوگئی تھی۔

''آپ کا نام رومیصہ ہے اور آپ کی کوالیفیکیشن ؟''

ادھیڑ عمر آدمی نے دوبارہ سلسلہ وہی سے جوڑا تھا۔ اس نے ٹشو سے ناک پر آیا پسینہ خشک کیا۔ حالانکہ کمرہ میں اے سی چل رہا تھا۔

''ایف اے'' اسے لگا تھا۔ اس کے جواب پر کمپیوٹر پر کام کرتا ہوا آدمی مڑا تھا۔ مگر وہ اس وقت اپنی توجہ ادھیڑ عمر آدمی پر مبذول کیے ہوئے تھی۔ جس نے اس کے جواب پر اپنی بائیں ابرو اچکائی تھی۔

''آپ ایف اے پاس ہیں۔ آپ کو علم ہے کہ ہم نے گریجویٹ کے لیے اشتہار دیا تھا۔''

''یس'' اس نے تھوک نگلتے ہوئے جواب دیا تھا۔ کمپیوٹر پر کام کرتا ہوا بندہ اب باقاعدہ رخ موڑ کر اس کی طرف متوجہ ہو چکا تھا۔ ادھیڑ عمر آدمی کچھ دیر تک خاموشی سے اس کا چہرہ دیکھتا رہا پھر اس نے پوچھا۔

''آپ کو کوئی تجربہ ہے؟ اس بار اس نے ماتھے پر آیا ہوا پسینہ خشک کیا تھا "No"

"Can you operate computer?" (آپ کمپیوٹر آپریٹ کرسکتی ہیں) اس نے ایک اور سوال داغا تھا۔

جواب اب بھی وہی تھا "No"

"Do you know how to typ?" (آپ ٹائپ جانتی ہیں؟)

اس نظر ٹیبل کی چمکتی ہوئی سطح پر جمادی "No"

''شارٹ ہینڈ۔'' "No"

"Do you know how to "handle telephone exchange?"

(آپ ٹیلیفون ایکسچینج ہینڈل کرسکتی ہیں) "No" سوالوں کی ایک لمبی قطار کا جواب اس نے ایک ہی لفظ سے دیا تھا۔ ہر بار وہ نظر اٹھاتی اور پھر ٹیبل پر نظر جمالیتی۔

''تو بی بی! پھر آپ نے ہمارا وقت ضائع کیوں کیا؟'' پہلا جملہ اردو میں اسی ادھیڑ عمر نے بولا تھا مگر اس بار کا لہجہ کافی ترش تھا۔ رومیصہ کو اپنی گردن ایک دم دو من کی لگنے لگی تھی۔

"Who is your favourite actor?" (آپ کا پسندیدہ ایکٹر کون ہے) کمرے کی خاموشی کو اس بار ایک اجنبی آواز نے توڑا

تھا۔ رومیصہ نے گردن اٹھا کر ادھیڑ عمر آدمی کو دیکھا تھا، جس کے چہرے پر ایک ہلکی سی مسکراہٹ ابھری تھی۔ پھر اس نے آواز کی سمت میں دیکھا تھا۔ کمپیوٹر پر کام کرنے والا بندہ اب دونوں بازو سینے پر لپیٹے شیلف سے ٹیک لگائے کھڑا تھا۔ چند لمحوں کے لیے تو وہ اسے دیکھتی ہی رہ گئی تھی۔ بلیو جینز اور بلیک شرٹ میں وہ بے حد خوبصورت لگ رہا تھا۔ اس کے چہرے کی سنجیدگی سے یوں لگ رہا تھا جیسے اس نے کوئی بہت اہم سوال پوچھا تھا۔ وہ چند لمحے کچھ کہے بغیر اسے دیکھتی رہی اور پھر اس نے اپنے سامنے بیٹھے ہوئے آدمی کی طرف گردن موڑ لی۔ وہ اس قسم کے سوال کا جواب دینا نہیں چاہتی تھی۔ مگر ادھیڑ عمر آدمی نے...... کہا۔

''آپ اس سوال کا جواب دیں۔''

''کوئی بھی نہیں۔'' دھیمی آواز میں اس نے کہا تھا۔

"Why?" (کیوں؟) اس نے پھر اس بندے کو دیکھا تھا جواب بھی اسی انداز میں کھڑا تھا۔

''میں فلمیں نہیں دیکھتی۔'' اس نے کہا تھا۔

"Why?" (کیوں؟) اس بار اس نے بے چارگی سے اسے دیکھا۔ لیکن اس بندے کو شاید اس پر ترس نہیں آیا تھا۔

"Your favourite T.V actor?" (آپ کا پسندیدہ ٹی وی فنکار؟)

''میں ٹی وی نہیں دیکھتی۔''

"Why?" اس بار پھر وہی سوال دہرایا گیا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کہے۔ اس نے سوال کا جواب دیے بغیر اس بندے کی طرف سے نظر ہٹا کر سامنے دیکھنا شروع کر دیا۔ مگر وہ بھی اپنی جگہ چھوڑ کر ادھیڑ عمر آدمی کی کرسی کی طرف آ گیا تھا۔ جس نے اپنی کرسی اس کے آنے پر خالی کر دی تھی اور خود دوسرے آدمی کے ساتھ والی کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔

"Who is you favourite author?" (آپ کا پسندیدہ مصنف کون ہے؟)

اپنا پچھلا سوال دہرانے کے بجائے ریوالونگ چیئر پر بیٹھتے ہی اس نے اگلا سوال کیا تھا۔

''میں کتابیں نہیں پڑھتی۔'' اسے اپنے بالکل سامنے موجود پا کر وہ کچھ سراسیمہ ہو گئی تھی۔

"What are your passtimes then?" (پھر آپ وقت کیسے گزارتی ہیں؟) ریوالونگ چیئر پر آگے پیچھے جھولتے ہوئے اس نے اگلا سوال پوچھا تھا۔ اس بار وہ چپ رہی۔

''فادر کیا کرتے ہیں آپ کے؟'' اس بار اس نے اردو میں پوچھا تھا۔

''وہ مر چکے ہیں۔''

''اور آپ کی مدر؟''

''وہ بہت سال پہلے وفات پا چکی ہیں۔''

تاسف کا کوئی تاثر اس شخص کے چہرے پر نہیں ابھرا تھا۔ نہ ہی لہجے میں کوئی نرمی آئی تھی۔

''بہن بھائی ہیں؟''

''نہیں۔''

''کس کے پاس رہتی ہیں؟''

''خالہ کے پاس۔''

''آپ کو پتا ہے سیکرٹری کی جاب کتنی مشکل ہوتی ہے؟'' وہ اس کے سوال پر اس کا چہرہ دیکھ کر رہ گئی۔

''ہم لوگ بہت سہولیات دیتے ہیں مگر کام میں کوئی کوتاہی برداشت نہیں کرتے۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ ورکنگ آورز کے بعد بھی آفس میں ٹھہرنا پڑ جاتا ہے، خاص طور پر جب کوئی ڈیلنگ ہو رہی ہو کسی غیر ملکی پارٹی سے اور ایسا اکثر ہوتا رہتا ہے۔ بعض دفعہ رات تک ٹھہرنا پڑ سکتا ہے۔ آپ یہ شیڈول فالو کر سکتی ہیں؟''

اس بار اس نے کسی مشکل کے بغیر جواب دیا تھا۔ ''نہیں۔''

اس شخص نے اس جواب پر چند لمحوں کے لیے دوسرے دو آدمیوں کو دیکھا پھر چیئر کو آگے پیچھے جھلاتے ہوئے وہ کچھ دیر تک اسے دیکھتا رہا جو اب دوبارہ ٹیبل پر نظریں جمائے بیٹھی تھی۔

''اگر آپ کو ملازمت دے دیں تو کیا آپ اتنی ہی بڑی چادر اوڑھ کر آتی رہیں گی؟''

رومیصہ نے کچھ حیرانی سے اپنے مدمقابل کو دیکھا تھا۔

''میں دوپٹہ لے لیا کروں گی۔''

اس شخص کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ ابھری تھی وہ فوراً ہی غائب ہو گئی تھی۔ مزید کچھ کہے بغیر وہ یک دم کرسی چھوڑ کر کھڑا ہو گیا۔

''ٹھیک ہے۔ انھیں اپائنٹ کر لیں اور اپائنٹمنٹ لیٹر ابھی دے دیں۔''

وہ دوبارہ اس پر نظر ڈالے بغیر ادھیڑ عمر آدمی کو یہ ہدایت دینے کے بعد کمپیوٹر کی طرف چلا گیا تھا اور پرنٹر سے کچھ کاغذات نکالنے کے بعد اسی تیز رفتاری سے اس ادھ کھلے دروازے کے پیچھے غائب ہو گیا۔ وہ ہکا بکا ہو کر اسے جاتے دیکھتی رہی۔

''ٹھیک ہے۔ آپ وزیٹرز روم میں بیٹھیں۔ کچھ دیر بعد آپ کو اپائنٹمنٹ لیٹر مل جائے گا۔''

ادھیڑ عمر آدمی نے اب یکسر بدلے ہوئے لہجے میں اس سے کہا تھا۔ وہ کچھ پوچھے بغیر حیرت کی اسی کیفیت میں باہر آ گئی تھی۔ اس سہ پہر واپس گھر آتے ہوئے بھی وہ حیرانگی کی اس کیفیت سے باہر نہیں آئی تھی۔

''کیا انٹرویو ایسا ہوتا ہے؟'' بار بار اس کے دماغ میں یہی سوال آ رہا تھا۔

اگر دنیا میں پہلی نظر میں محبت نام کی کوئی چیز تھی تو اس دن نبیل سکندر بری طرح اس کا شکار ہوا تھا۔ یہ صرف اتفاق ہی تھا کہ اس روز اس کے کمرے میں موجود کمپیوٹر خراب ہو گیا تھا اور وہ مینیجر کے کمپیوٹر پر کام کرنے کے لیے ان کے آفس میں گیا جب وہ انٹرویوز ہو رہے تھے۔ ایک سیکرٹری کا انتخاب اسی کے آفس کے لیے ہو رہا تھا مگر وہ ان کے معاملات میں دلچسپی نہیں لیتا تھا۔ ہمیشہ مینیجر ہی انٹرویوز کر کے فرم کے مختلف حصوں کے لیے سیکرٹریز اپائنٹ کیا کرتے تھے اور اسے ان کے انتخاب پر کبھی شکایت نہیں ہوتی تھی۔ سو اس روز بھی کمپیوٹر پر کام کرتے ہوئے وہ آتے جاتے ہوئے امیدوار لڑکیوں پر نظر ڈالتا رہا۔ اچانک اسے کچھ کاغذات کی ضرورت پڑی تھی۔ انہیں لینے کے لیے وہ اپنے آفس گیا تھا اور واپس آ کر وہ پرنٹر سے کچھ ڈاکومنٹس نکال رہا تھا۔ جب غفور صاحب کے سوالوں پر اس نے گھبرائی ہوئی مدھم آواز میں کسی لڑکی کے جواب سنے تھے۔ کچھ دلچسپی سے اس نے مڑ کر دیکھا اور اس لڑکی نے اسے چونکا دیا تھا۔ وہ دوبارہ کمپیوٹر کی طرف متوجہ نہیں ہو سکا۔ غفور صاحب کے سوالوں پر وہ شرمندگی سے سر جھکائے اپنی نااہلیت کا اقرار کرتی رہی۔ وہ زیادہ دیر تک چپ نہیں رہ پایا اور اس نے جان بوجھ کر ایک بہت احمقانہ سا سوال پوچھا تھا۔ اس لڑکی نے چونک کر اسے دیکھا تھا۔ اس کی آنکھوں میں بے پناہ حیرت تھی اور اس کے چہرے پر ابھرنے والے تاثرات نے نبیل سکندر کو کچھ لمحوں کے لیے منجمد کر دیا تھا۔ وہ بے حد خوبصورت تھی اور شاید کچھ اور بھی تھا اس میں کوئی ایسی کشش کوئی ایسی چیز جسے وہ سمجھ نہیں پایا۔ وہ خود کو انٹرویو میں انوالو کرنے سے باز نہیں رکھ سکا۔ وہ جانتا تھا وہ اس کے سوالوں پر بہت پریشان تھی بلکہ روہانسی ہو رہی تھی۔ مگر وہ بس اس سے بات کرنا چاہتا تھا۔ اسے دیکھتے رہنا چاہتا تھا۔ اس کی آواز سننا چاہتا تھا۔ اس نے اسے اپائنٹ کر لیا تھا۔

انٹرویوز ختم ہونے کے بعد غفور صاحب نے اس کے پاس آ کر اسے فیصلہ کے کچھ مضمرات سے آگاہ کرنے کی کوشش کی تھی مگر اس نے بہت پرسکون انداز میں کہا تھا۔

''وہ سب کچھ سیکھ جائے گی۔ اس میں اتنی صلاحیت ہے اور ویسے بھی وہ میرے آفس میں کام کرے گی، وہاں پر ورک لوڈ اتنا زیادہ ہے بھی نہیں کہ میرے لیے کوئی پرابلم ہو۔ آپ پریشان نہ ہوں۔''

غفور صاحب نے دوبارہ کچھ کہنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ سمجھدار آدمی تھے۔ جان گئے تھے کہ اس لڑکی کو اس کی خوبصورتی کی وجہ سے جاب دی گئی ہے اور یہ واحد قابلیت تھی جو نبیل سکندر کو متاثر کرتی تھی۔ وہ خود خوبصورت تھا اور خوبصورت چیزوں کے عشق میں گرفتار ہونے کا کافی شوق تھا اسے۔ چاہے وہ کوئی لڑکی ہو یا پھر کسی دکان میں پڑا ہوا ڈیکوریشن پیس۔ وہ دونوں کو ایک ہی طریقے سے سراہتا تھا۔ جب تک دل نہیں بھرتا۔ وہ اس کی نظروں کے سامنے رہتے پھر ان کی جگہ کوئی اور لے لیتا۔ کچھ اس سے بہتر چیز کوئی اس سے اچھی لڑکی۔

سکندر علی کے چھ بیٹے تھے۔ نبیل سکندر تیسرے نمبر پر تھا۔ اس سے بڑے اشعر اور احمر تھے اور ذیشان، فراز اور ولید اس سے چھوٹے تھے۔ سکندر علی ملک کے چند نامور ایکسپورٹرز میں سے تھے۔ اور نبیل بھی اپنے بڑے بھائیوں کی طرح باپ کے ساتھ سرجیکل اور لیدر گڈز کے بزنس میں شریک تھا۔ اس نے امریکا سے بی بی اے کیا تھا اور پھر اسٹڈیز میں اس کی دلچسپی ختم ہو گئی تھی۔ سکندر علی چاہتے تھے کہ وہ امریکا میں ہی رہے تاکہ وہاں ان کے آفس کو اسٹیبلش کیا جا سکے۔ وہ خود بھی اس پروجیکٹ میں انٹرسٹڈ تھا۔ اس لیے وہ امریکا میں ہی رہنے لگا تھا۔ پانچ چھ سال تک وہ مستقل امریکا

میں ہی رہا اور جب وہاں ان کا آفس اچھی طرح اسٹیبلش ہو گیا تو اس نے سال کا کچھ حصہ پاکستان میں گزارنا شروع کر دیا تھا۔

وہ سال میں تین چار بار پاکستان آتا۔ شادی سے اسے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ وہ اسے ایک فضول ذمہ داری سمجھتا تھا اور سوچتا تھا کہ اگر شادی کبھی کی بھی تو صرف اس وقت کروں گا جب کسی لڑکی سے اتنی انڈر اسٹینڈنگ ہو جائے گی کہ وہ مجھ پر فضول پابندیاں لگانے کی کوشش نہ کرے اور مجھے اپنی زندگی اپنے طریقے سے گزارنے دے۔ یہی وجہ تھی کہ بتیس سال کا ہونے کے باوجود ابھی تک وہ خود کو شادی کے لیے آمادہ نہیں کر پایا تھا۔

اس کے بڑے دونوں بھائیوں کی شادی ہو چکی تھی اور وہ دونوں بہت پرسکون زندگی گزار رہے تھے مگر یہ سکون بھی اسے شادی کی طرف اٹریکٹ نہیں کرتا تھا۔ سکندر علی کا وہ لاڈلا تھا اس لیے ان کی طرف سے اس پر کوئی پریشر نہیں تھا اور حیرت کی بات یہی تھی کہ ساری اولاد میں سے سکندر علی اگر واقعی کسی کو چاہتے تھے تو وہ نبیل ہی تھا۔ نہ انھیں اپنے سب سے بڑے بیٹے اشعر سے اتنا لگاؤ تھا نہ سب سے چھوٹے بیٹے ولید سے اتنی محبت تھی۔ جتنی وہ نبیل سے کرتے تھے۔ وجہ شاید یہ تھی کہ نبیل ان سے بہت مشابہت رکھتا تھا۔ یا پھر شاید یہ بات تھی کہ بہت عرصے تک بیرون ملک ان سے الگ رہا تھا، اس لیے وہ اسے زیادہ چاہنے لگے تھے اور شاید ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی تھی کہ نبیل کسی دوسرے کے لیے اچھا ہو یا نہ ہو، وہ کم از کم ایک فرمانبردار بیٹا ضرور تھا۔ وہ نہ صرف فرمانبردار بلکہ بہت محنتی بھی تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اس نے مختصر عرصے میں امریکا میں ان کے لیے ایک اچھی خاصی مارکیٹ بنا دی تھی۔ اس وقت ان کی پچاس فیصد ایکسپورٹس امریکا کو ہی ہو رہی تھیں اور اس میں بڑا ہاتھ نبیل کا تھا۔

یہی وجہ تھی کہ انھوں نے اس پر کبھی کوئی روک ٹوک کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ نہ ہی کوئی پابندی لگائی تھی۔ ایسا بھی نہیں تھا کہ وہ اس کی حرکتوں کے بارے میں مکمل طور پر بے خبر تھے، مگر پھر بھی وہ اس سب کو نظر انداز کر دیا کرتے تھے۔ سو نبیل سکندر کو ہر معاملے میں خاصی چھوٹ تھی۔ روپے کی اس کے پاس کوئی کمی نہیں تھی اور جس معاشرے میں وہ رہتا تھا وہاں یہ چیز ہو تو پھر کچھ بھی حاصل کیا جا سکتا تھا۔ پھر وہ جسمانی طور پر بھی اتنا خوبصورت تھا کہ صنف مخالف کو اپنی طرف متوجہ کرنے میں کوئی خاص محنت نہیں کرنی پڑتی تھی۔

امریکا میں اس کی کافی گرل فرینڈز تھیں اور ان میں سے اکثر بہت اچھی فیملیز سے تعلق رکھتی تھیں۔ سکندر علی کو قطعاً اعتراض نہ ہوتا، اگر وہ ان میں سے کسی سے شادی کرنا چاہتا۔ مگر نبیل سکندر کو صرف وقتی تعلق بنانے کی عادت تھی۔ وہ انھیں مستقل کرنے کی کوشش کبھی نہیں کرتا تھا۔ یہ عادت اچھی تھی یا بری، وہ کبھی نہیں جان سکا، کیونکہ اسے اس عادت سے کبھی نقصان اٹھانا نہیں پڑا۔ ایسا بھی نہیں تھا کہ اسے پہلے کبھی کسی سے عشق ہوا ہے نہ ہو، کئی بار ایسا ہوا تھا کہ وہ خود کو محبت کی بیماری میں مکمل طور پر گرفتار سمجھنے لگا تھا۔ مگر یہ کیفیت بہت عارضی ثابت ہوئی تھی۔ مگر اس بار اس نے قدرے مختلف قسم کے جذبات محسوس کیے تھے۔

❁

وہ سوچتی تھی کہ پہلے دن آفس جا کر اسے بہت سے مسائل پیش آئیں گے، مگر ایسا کچھ بھی نہیں ہوا تھا۔ صبح ساڑھے آٹھ بجے آفس کی گاڑی نے اسے پک کر لیا تھا اور آفس میں پہلے ہی اس کے انتظار میں عافیہ نام کی ایک لڑکی موجود تھی۔ وہ کمپیوٹر سیکشن میں کام کرتی تھی اور رومیصہ کو اس کا آفس دکھانے لے گئی تھی اور اپنا آفس دیکھ کر وہ حیران رہ گئی تھی اگرچہ وہ وزیٹرز روم بھی تھا مگر اگر وہاں کوئی موجود نہ ہوتا تو وہ کسی بگ باس کے

آفس کا منظر پیش کرتا تھا کم از کم رومیصہ کو یونہی لگا تھا۔ اسے اپنی ٹیبل پر بے پناہ رشک آیا تھا۔ جس پر ہر جدید سہولت موجود تھی۔ ایئر کنڈیشنڈ روم میں ریوالونگ چیئر پر بیٹھ کر اس نے خود کو بے حد معتبر محسوس کیا تھا۔

''تم اس آفس میں کام کرو گی نبیل سکندر صاحب کے ساتھ۔ وہ آفس میں قدرے دیر سے آتے ہیں۔ اس لیے ان کے آنے سے پہلے تم ہر روز میرے ساتھ رہا کرو گی۔ میں تمھیں کمپیوٹر اور فیکس وغیرہ کے بارے میں تھوڑا اٹرین کر دوں گی۔ ٹیلی فون ایکسچینج ہینڈل کرنا تو خیر اتنا بڑا مسئلہ نہیں ہے اور پھر تمہاری خوش قسمتی ہے کہ نبیل سکندر صاحب کے آفس میں کام بھی زیادہ نہیں ہے۔ ورنہ تم کسی دوسرے سیکشن یا آفس میں بغیر تجربے یا ان چیزوں کے علم کے بغیر آتیں تو تمھارے لیے بہت مشکل ہو جاتی۔ بہر حال تمھیں یہ سب سیکھنے کے لیے کافی وقت مل جائے گا۔''

عافیہ اسے بتاتی گئی تھی۔ ''نبیل سکندر تو یہ میرے باس کا نام ہے۔'' اس نے سوچا تھا۔ اس دن عافیہ نے اسے صرف ٹیلی فون ایکسچینج کو ہینڈل کرنا سکھایا تھا۔ دو گھنٹے تک وہ اس کے ساتھ بیٹھی فرم کے مختلف آفسز اور فیکٹری کے مختلف حصوں سے لنک اور ڈی لنک ہونا سیکھتی رہی۔

پھر عافیہ اسے اس کے آفس میں چھوڑ کر چلی گئی تھی۔ اپنے آفس کی تنہائی میں وہ بڑی آزادی سے ہر چیز کو دیکھتی رہی۔ یہ احساس کہ وہ ان تمام چیزوں کو اپنی مرضی سے استعمال کر سکتی ہے۔ بہت خوبصورت تھا۔ عافیہ اسے کوئی کام سونپ کر نہیں گئی تھی اس لیے کچھ دیر تک اپنے آفس کو اچھی طرح دیکھنے کے بعد وہ اپنی چیئر پر آ کر بیٹھ گئی۔ آج وہ اپنی چادر کو گھر چھوڑ آئی تھی مگر چادر کے بجائے اس سے کچھ کم لمبائی اور چوڑائی کا دوپٹہ اسی انداز میں اوڑھے ہوئے تھی۔

کچھ ہمت کر کے اس نے چہرے پر لپ اسٹک اور آئی لائنیز کا اضافہ بھی کر لیا تھا۔ مجموعی طور پر اس کا حلیہ انٹرویو والے دن سے کافی بہتر تھا۔ اور اس دن کی طرح اسے فرم میں کام کرنے والی دوسری لڑکیوں کو دیکھ کر کسی قسم کا احساس کمتری نہیں ہو رہا تھا۔ تقریباً بارہ بجے کا وقت تھا۔ وہ پچھلے آدھ گھنٹہ سے اپنی چیئر پر بیٹھی خالی الذہنی کی کیفیت میں سامنے والی کھڑکیوں پر نظریں جمائے ہوئے تھی۔ جب ایک جھٹکے سے دروازہ کھول کر کوئی بڑی تیز رفتاری سے اس کے آفس میں داخل ہوا تھا۔ اس نے کچھ ہڑ بڑا کر اس اچانک آنے والے کو دیکھا تھا۔ بلیک پینٹ، سفید ہاف بازوؤں والی شرٹ کے اوپر رائل بلو اسٹرپس والی ٹائی لگائے ہاتھ میں بریف کیس تھامے کلون سے مہکتا ہوا وہ لمبا چوڑا وجود ایک بار پھر اس کے سامنے تھا۔ وہ صرف ایک لمحے کے لیے اس کے سامنے رکا تھا۔

"So you are here. Alright"

Just come into my room (اچھا تو آپ یہاں ہیں۔ ٹھیک ہے ذرا میرے کمرے میں آئیں۔)

وہ مسکراتے ہوئے اس کے سامنے سے گزر کر اگلا دروازہ کھول کر اندر غائب ہو گیا تھا۔ وہ چند لمحوں تک ساکت بیٹھی دروازے کو دیکھتی رہی۔ ابھی بھی اسے یقین نہیں آیا تھا کہ وہ اس کا باس ہو سکتا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ وہ اپنی جگہ سے ہلی نہیں مگر چند لمحوں بعد ہی ٹیبل پر موجود انٹر کام کی بزر ہونے لگی تھی۔ اس نے نیم دلی سے ریسیور اٹھایا۔

''مس رومیصہ! پلیز میرے آفس میں آئیں۔''

''لیس سر۔'' گھٹے ہوئے لہجے میں اس نے کہا تھا۔

''تو یہ نبیل سکندر ہے۔'' وہ جو کسی ادھیڑ عمر باس کی منتظر تھی اب یہ جان کر ایک صدمے کی کیفیت میں تھی کہ نہ صرف باس نوجوان تھا بلکہ اس کے سامنے اس کا پہلا امپریشن بھی کچھ اچھا نہیں تھا۔ بادل نخواستہ وہ اٹھ کر اندر چلی آئی تھی۔ وہ اپنی کرسی پر بیٹھا موبائل پر کسی کو کچھ ہدایات دے رہا تھا۔ ہاتھ کے اشارے سے اس نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا تھا۔ وہ بڑی بے دلی سے کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی تھی۔ چند منٹوں تک وہ موبائل پر مصروف گفتگو رہا مگر اس کی نظریں اس کے چہرے پر مرکوز رہیں جو ٹیبل کو گھورنے میں مصروف تھی۔ اس کے چہرے پر موجود بیزاری اس کی تیز نظروں سے چھپی نہیں رہ سکی تھی۔ موبائل بند کر کے ٹیبل پر رکھتے ہی اس نے پوچھا تھا۔

''کیا آپ کو اپنا آفس پسند نہیں آیا؟'' وہ اس تیکھے سوال پر گڑبڑا گئی تھی۔

''نہیں۔ ایسی تو کوئی بات نہیں۔''

''تو پھر آپ اتنی پریشان کیوں ہیں؟''

''نہیں میں پریشان تو نہیں ہوں۔'' اس نے اسے یقین دہانی کروانے کی کوشش کی تھی۔

وہ کچھ لمحوں تک خاموشی سے جیسے اس کے چہرے پر کچھ پڑھنے کی کوشش کرتا رہا پھر ایک گہری سانس لے کر اس نے کہا۔

''آل رائٹ۔ میں مان لیتا ہوں کہ آپ پریشان نہیں ہیں۔ اب کچھ کام کی باتیں کر لیتے ہیں۔ یہ تو آپ کو پتا ہی ہوگا کہ آپ کو میرے ساتھ کام کرنا ہے۔ میں کام کے معاملے میں بہت پروفیشنل اپروچ رکھتا ہوں، بے ترتیبی اور بددیانتی برداشت نہیں کرتا ہوں آپ پر کام کا زیادہ بوجھ نہیں ہوگا۔ بہت سی بنیادی چیزوں سے آپ واقف نہیں ہیں۔ اس لیے ایک دو ماہ تک تو آپ کو ان چیزوں میں ٹرینڈ کیا جائے گا پر اپر گائیڈنس بھی دی جائے گی۔ اس کے بعد آپ کو ہر کام خود ہی سوچ سمجھ کر کرنا ہوگا اور میرا خیال ہے یہ کوئی مشکل نہیں ہوگا آپ کے لیے۔ زیادہ لمبا چوڑا لیکچر نہیں دینا چاہتا آج کے لیے بس اتنی انسٹرکشنز کافی ہیں۔ اگر آپ کو یہاں کسی قسم کی پرابلم کا سامنا کرنا پڑے تو آپ میرے پاس آ سکتی ہیں۔ اب آپ جا سکتی ہیں۔''

وہ خاموشی سے اٹھ کر باہر آ گئی۔ آفس میں آہستہ آہستہ لوگوں کی آمد و رفت شروع ہو چکی تھی۔ مگر یہ سب فرم کے ہی مختلف سیکشنز کے لوگ تھے۔ وہ صرف انٹر کام پر اندر اطلاع کرتی رہی۔ لنچ تک یہی سلسلہ جاری رہا۔

لنچ بریک سے کچھ دیر پہلے عافیہ اسے لینے آ گئی تھی۔ وہ اس کے ساتھ فیکٹری کیفے ٹیریا میں آ گئی تھی۔ وہاں فیکٹری اور فرم میں کام کرنے والی خواتین کی بڑی تعداد موجود تھی۔ اسے یہ دیکھ کر بے حد سکون تھا۔

دن اسی طرح گزرنے لگے تھے۔ وہ صبح آنے کے بعد دو گھنٹے عافیہ کے ساتھ کمپیوٹر اور فیکس پر کام کرتی پھر اپنے آفس میں آ کر تھوڑا بہت وہاں کا کام نمٹاتی۔ نبیل سکندر ہمیشہ دیر سے ہی آیا کرتا تھا۔ لیکن آنے کے بعد وہ کافی مشینی انداز میں کام کیا کرتا تھا۔ یکے بعد دیگرے فیکٹری یا فرم میں سے کوئی نہ کوئی اس کے پاس آتا رہتا تھا یا وہ خود کسی نہ کسی کو بلاتا رہتا تھا اور جب وہ کسی کو نہیں بلاتا تھا تب وہ فون پر کسی نہ کسی کے ساتھ مصروف

گفتگو ہوتا۔ فرم میں مختلف حصے بنے ہوئے تھے۔ اب ایک نیا حصہ تشکیل دیا جا رہا تھا جو اس کے چھوٹے بھائی کے سپرد کیا جانا تھا۔ تمام حصے سکندر علی کی زیر نگرانی کام کرتے تھے مگر وہ اپنے بیٹوں کے کام میں دخل اندازی نہیں کیا کرتے تھے۔ کسی بات پر اعتراض وہ صرف تب کرتے تھے جب فرم کو کسی وجہ سے نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہوتا یا نقصان ہوتا ورنہ انھوں نے باقی تمام معاملات میں اپنے بیٹوں کو مکمل آزادی دے رکھی تھی۔

رومیصہ کو یہ پتا چل گیا تھا کہ نبیل سال کا زیادہ حصہ باہر گزارتا ہے اور یہ جان کر اسے بے حد خوشی ہوئی تھی۔ عافیہ نے اسے بتایا تھا کہ وہ ہر دو چار ماہ بعد کچھ عرصے کے لیے باہر ضرور جاتا ہے اور اب رومیصہ شدت سے اس کے باہر جانے کی منتظر تھی۔ نبیل سکندر سے اس عرصے میں اسے کوئی تکلیف یا پریشانی نہیں ہوئی تھی، مگر اس کے باوجود وہ مطمئن نہیں تھی۔ اسے اس کی آنکھوں سے بے حد خوف آتا تھا حالانکہ عافیہ کو نبیل سکندر کی آنکھیں بے حد پسند تھیں مگر رومیصہ کبھی بھی اس کی آنکھوں میں دیکھ نہیں پائی۔ کوئی بہت عجیب سا تاثر ہوتا تھا اس کی آنکھوں میں جسے وہ سمجھنے سے قاصر تھی لیکن بعض دفعہ وہ بے حد پریشان ہو جاتی تھی یہ اندازہ اسے ہو گیا تھا کہ وہ صرف اپنے حصے میں ہی نہیں دوسرے حصے میں کام کرنے والی لڑکیوں میں بھی خاصا مقبول تھا۔ بنیادی وجہ تو ظاہر ہے یہ تھی کہ وہ فرم کے مالکوں میں سے تھا۔ اور بے حد خوبصورت تھا مگر ایک اور وجہ اس کے لہجے کی نرمی تھی۔ اس میں غرور یا اکھڑ پن نہیں تھا جو اس کے بڑے دونوں بھائیوں میں تھا۔ اپنے ماتحتوں کے ساتھ وہ خوش اخلاقی سے ہی پیش آتا تھا جب تک ان میں سے کوئی ایسی حرکت نہ کر دیتا۔ جو اسے آپے سے باہر کر دیتی مگر غصے میں بھی وہ بلند آواز سے بولتا اور ماتحتوں کو جھڑکتا ضرور تھا۔ مگر ان کو ذلیل نہیں کیا کرتا تھا۔ نہ ہی ان کی ایک ایک غلطی لے کر بیٹھا رہتا تھا۔ شاید یہی وجہ تھی کہ اس کے حصے میں کام کرنے والے سب سے زیادہ مطمئن تھے۔

اس سے پہلے نبیل سکندر کی سیکرٹری کے طور پر جو لڑکی کام کر رہی تھی وہ اس سے پہلے چیمبر آف کامرس میں کام کرتی رہی تھی۔ اس فرم کو جوائن کرنے کے بعد بہت کم عرصے میں وہ نبیل کے بہت قریب آ گئی تھی۔

''بے حد خوبصورت تھی شائلہ۔ پھر اسے مردوں کو پھانسنے کے سارے حربے آتے تھے اور پھر نبیل سکندر تو ہے ہی دل پھینک، چند ماہ میں نوبت یہ آ گئی تھی کہ شام کو واپس بھی نبیل کی گاڑی میں جایا کرتی تھی۔ ہر دوسرے دن وہ ہمیں کوئی نہ کوئی قیمتی چیز یہ کہہ کر دکھاتی تھی کہ یہ نبیل نے دی ہے اور نبیل سکندر واقعی اسے بہت تحفے دیتا رہتا تھا بلکہ وہ تو اسے لے کر کئی کئی دن مری اور بھوربن بھی رہ کر آتا تھا۔ پھر آہستہ آہستہ نبیل سکندر کی دلچسپی اس میں ختم ہونے لگی۔ تحفے تحائف کا سلسلہ بھی رک گیا اور ظاہر ہے خالی تنخواہ پر تو شائلہ بی بی کا گزارہ ہو نہیں سکتا تھا۔ اس لیے یہاں آنے کے ایک سال بعد ہی وہ جاب چھوڑ کر چلی گئی، اسی لیے تمھیں کہتی ہوں کہ تم بھی محتاط رہنا۔ یہ بندہ فلرٹ ہے اسے ہم جیسی لڑکیوں سے عشق نام کی کوئی چیز ہو سکتی ہے۔ نہ یہ ہم سے شادی کر سکتا ہے۔ ہاں ذلت اور رسوائی کا طوق ضرور ہمارے گلے میں ڈال سکتا ہے۔ اس لیے بہتر ہے کہ تم کبھی اس کی باتوں میں نہ آنا۔ ذرا مضبوطی دکھاؤ گی تو یہ...... تنگ نہیں کرے گا۔ یہ خوبی ہے اس میں کہ اگر کسی لڑکی کی طرف سے کوئی رسپانس نہ ملے تو وہ اس کا جینا اجیرن کرتا ہے نہ اسے تنگ کرتا ہے بلکہ خاموشی سے کنارہ کر لیتا ہے۔''

عافیہ نے ایک دن نبیل سکندر کے بارے میں تقریباً سارے ہی انکشافات کر دیے تھے۔ نبیل کے بارے میں اس کے خدشات اور بڑھ گئے تھے۔ حفظ ماتقدم کے پہلے اقدام کے طور پر اس نے میک اپ کا استعمال ترک کر دیا تھا۔ وہ چھوٹی موٹی جیولری جو وہ پہن کر آنے لگی تھی وہ ایک

بار پھر سے اس نے اتار کر رکھ دی تھی۔ جب بھی وہ اسے آفس میں بلاتا تو وہ پتا نہیں خود پر کیا کیا پھونک کر جاتی۔

بعض اوقات اس کا دل چاہتا، وہ یہ جاب چھوڑ دے اور دوبارہ کبھی وہاں نہ آئے مگر یہ ممکن نہیں تھا۔ خالہ کسی طور پر بھی اس بات پر تیار نہیں تھیں کہ وہ یہ جاب چھوڑ دے۔ وہ سمجھتی تھیں کہ ایسی جاب تو قسمت والوں کو ملتی ہے۔ سترہ گریڈ کے افسر کی اتنی تنخواہ نہیں ہوتی جتنی اسے مل رہی تھی پھر وہ کفران نعمت کیوں کر رہی تھی۔ کئی بار اس نے نبیل سکندر کے بارے میں کی جانے والی باتوں کے بارے میں انہیں بتایا مگر ہر بار وہ سنی ان سنی کر جاتیں اگر کہتیں بھی تو بس یہ۔

''لو باس برا ہے تو پھر کیا ہے۔ تھوڑی بہت خرابی تو ہر مرد میں ہوتی ہے۔ بندے کو خود اچھا ہونا چاہیے اور پھر تم اکیلی تو نہیں ہزاروں لاکھوں لڑکیاں یہی کام کرتی ہیں آخر وہ بھی تو لڑکیاں ہی ہیں مگر وہ تو ڈر کر نہیں بھاگتیں۔ پھر لوگوں کو تو ویسے بھی رائی کا پہاڑ بنانے کی عادت ہوتی ہے، کسی میں چیونٹی جتنی خرابی دیکھ لیں تو اسے ہاتھی بنا کر پیش کر دیتے ہیں۔ تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے نہ ہی کسی کی باتوں میں آنے کی ضرورت ہے۔''

وہ خاموشی سے ان کی تقریر سنتی رہتی۔ اس کے علاوہ کوئی اور چارہ نہیں تھا۔ وہ ان کے گھر رہتی تھی۔ خالہ کے بقول اس پر ان کے بہت احسانات تھے اور اب وہ اس قابل ہوئی ہے کہ دوسروں کے لیے کچھ کر پائے تو اپنے فضول کے خدشات کو سر پر لادے نہ پھرے۔ بعض دفعہ اس کا دل چاہتا وہ پھوٹ پھوٹ کر روئے اگر اس کا اپنا باپ یا ماں ہوتے تو کیا انہیں بھی اس کے خدشات اتنے ہی بے جواز لگتے۔ شاید کبھی نہیں۔

عافیہ نے اپنی بہن کی شادی کے لیے ایک ہفتے کی چھٹی لی تھی اور اس کا دل ہی نہیں چاہا تھا کہ وہ اکیلے کیفے ٹیریا جا کر کھانا کھائے۔ کسی اور لڑکی کے ساتھ اس کی اتنی دوستی نہیں تھی۔ اس لیے اس نے سوچا تھا کہ جتنے دن عافیہ نہیں آئے گی۔ وہ اپنے آفس میں ہی لنچ کر لیا کرے گی۔ نبیل لنچ ٹائم میں آفس سے چلا جایا کرتا تھا بعض دفعہ وہ لنچ کے لیے کسی ریسٹورنٹ چلا جاتا تھا اور بعض دفعہ وہ اپنے باپ اور بھائیوں کے ساتھ آفس میں لنچ کیا کرتا تھا۔ اس لیے رومیصہ کو یہ پریشانی بھی نہیں تھی۔

اس دن بھی نبیل حسب معمول لنچ آور شروع ہونے پر آفس سے نکل گیا تھا لیکن اپنی کار کے پاس پہنچنے پر اسے یاد آیا کہ وہ اپنا موبائل اوپر آفس میں ہی چھوڑ آیا تھا۔ اسے لینے کے لیے وہ اوپر آیا تھا لیکن اپنے آفس میں جانے کے لیے جب وہ رومیصہ کے آفس کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا تو وہ ٹیبل پر لنچ باکس رکھے لنچ کرنے میں مصروف تھی، اسے خلاف توقع وہاں موجود پا کر وہ گڑبڑا گئی تھی اور ہاتھ میں پکڑا ہوا سینڈوچ اس نے لنچ باکس میں رکھ دیا تھا۔ وہ اپنے آفس میں جانے کے بجائے اس کے سامنے پہنچ کر رک گیا۔

''آپ لنچ یہیں کرتی ہیں؟'' اس نے پوچھا تھا۔

''نہیں، میں کیفے ٹیریا میں عافیہ کے ساتھ لنچ کرتی ہوں مگر وہ ایک ہفتے کی چھٹی پر ہے، اس لیے میں نے سوچا کہ یہیں لنچ کر لوں۔'' اس نے وضاحت کی تھی۔

''آپ میرے ساتھ چلیں، ہم اکٹھے لنچ کرتے ہیں۔'' نبیل نے فوراً اسے پیش کش کی تھی اور اس کے جسم سے جیسے جان نکل گئی تھی۔

''نہیں تھینک یو۔ لیکن مجھے یہیں لنچ کرنا ہے۔''

اس نے گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا تھا مگر نبیل پر کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔

''نہیں۔ آپ کو میرے ساتھ چلنا ہے۔ میں ذرا اپنا موبائل لے آؤں۔''

وہ اس کے انکار کو گردانے بغیر اپنے آفس میں چلا گیا اور چند لمحوں بعد واپس آ گیا تھا۔

''او کے چلیں۔'' اس نے آتے ہی کہا تھا۔

''نہیں مجھے بھوک نہیں ہے۔ پھر میں لنچ بھی کر چکی ہوں۔ میں نہیں جاؤں گی۔''

اس نے مزاحمت کی کوشش کی تھی۔ مگر دوسری جانب کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔

''مزید جھوٹ نہیں۔ آپ بس اٹھ جائیں۔ اس قسم کے جھوٹے بہانے مجھے پسند نہیں ہیں۔''

اس بار اس نے قدرے سختی سے کہا تھا اور وہ مزید مزاحمت نہیں کر پائی تھی۔ بہرحال وہ اس کا باس تھا۔ اپنے لنچ باکس کو بند کرنے کے بعد بیگ اٹھا کر وہ اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ نبیل اس کے چہرے کے تاثرات دیکھ کر اس کی دلی کیفیت سے بخوبی واقف ہو چکا تھا مگر پھر بھی وہ اسے ساتھ لے جانے کے ارادے پر قائم تھا۔ جب وہ اٹھ کھڑی ہوئی تو اس نے آگے بڑھ کر اس کے لیے آفس کا دروازہ کھولا تھا۔ باہر آنے کے بعد نبیل کے پیچھے چلتے ہوئے اس کا دل رونے کو چاہ رہا تھا۔ اسے لگ رہا تھا جیسے اسے دیکھنے والی ہر نظر ملامت کر رہی ہے۔ خاموشی کے ساتھ آگے پیچھے چلتے ہوئے وہ

پارکنگ میں آئے تھے۔ نبیل نے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ کر فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھول دیا تھا۔ وہ چند لمحوں تک بے بسی اور بے چارگی کے عالم میں وہیں کھڑی رہی مگر وہ قطعاً اس کی طرف متوجہ نہیں تھا بلکہ کار اسٹارٹ کر رہا تھا۔ زہر کا گھونٹ بھرتے ہوئے وہ فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گئی تھی۔

''کہاں لنچ کریں گی؟'' اس کے سوال اس کا دل چاہا تھا، کہہ دے کہیں بھی نہیں مگر اس نے یہ نہیں کہا تھا۔

''پتا نہیں۔ میں کبھی کسی ریسٹورنٹ نہیں گئی۔''

''ٹھیک ہے پھر میں آپ کو اپنی پسند کی جگہ لے جاتا ہوں۔''

اس نے کہا تھا۔ کچھ دیر وہ خاموشی سے گاڑی ڈرائیو کرتا رہا پھر اس نے گفتگو کرنے کا ارادہ کیا تھا۔

''کیسی لگ رہی ہے آپ کو اپنی جاب؟''

''ٹھیک ہے۔'' اس نے ڈیش بورڈ کو گھورتے ہوئے کہا تھا۔ نبیل نے بھنویں اچکاتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔

''بس ٹھیک ہے؟'' اس کا لہجہ سوالیہ تھا۔

''میرا مطلب ہے اچھی ہے۔'' اس نے بجھے دل سے تعریف کرنے کی کوشش کی تھی۔

''اور باس کیسا ہے آپ کا؟'' بڑی سنجیدگی سے سوال کیا گیا تھا۔ رومیصہ نے گردن گھما کر اسے دیکھا۔ فوری طور پر اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا جواب دے۔

''میں نے آپ سے کچھ پوچھا ہے؟'' سوال اسی سنجیدگی سے دہرایا گیا تھا۔ اس نے ایک بار پھر اس کی طرف گردن گھمائی مگر وہ بڑی بے نیازی سے ونڈ اسکرین پر نظر جمائے پورے انہماک سے گاڑی ڈرائیو کر رہا تھا۔

''ٹھیک ہیں۔'' اس نے کہا تھا۔

''صرف ٹھیک ہیں؟'' اس نے کچھ بلند آواز سے کہا تھا۔ نبیل کو توقع تھی کہ وہ اس بیان کو بھی کچھ بدلے گی مگر وہ حیران ہوا تھا جب وہ کچھ کہنے کے بجائے چپ رہی تھی۔ ایک ہلکی سی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر نمودار ہوئی تھی۔

''ٹھیک ہیں، بہت خوب!''

اس نے زیر لب کہا تھا پھر ایک نظر اس پر ڈالی تھی جو اب سامنے یا باہر دیکھنے کے بجائے گود میں رکھے ہوئے ہاتھوں پر نظر جمائے بیٹھی تھی۔ اس نے دوبارہ اسے مخاطب نہیں کیا تھا۔ ریسٹورنٹ میں پہنچ کر ٹیبل تک پہنچنے تک دونوں کے درمیان کوئی گفتگو نہیں ہوئی تھی، مگر مینو کارڈ ہاتھ میں لیتے ہی نبیل نے کہا تھا۔

''کیا کھانا پسند کریں گی آپ؟''

''کچھ بھی۔'' اس نے ویٹر سے مینو کارڈ لے کر دیکھنے کے بجائے ٹیبل پر رکھ دیا تھا۔

''کچھ بھی۔'' نبیل نے اس کے جملے کو دہرایا تھا۔

''آل رائٹ پھر میں اپنی مرضی کا لنچ کرواتا ہوں آپ کو۔''

مینو کارڈ پر نظریں دوڑاتے ہوئے اس نے کہا تھا اس نے اپنی پسند کی چند ڈشز ویٹر کو لکھوائی تھیں۔ جب ویٹر آرڈر نوٹ کرنے کے بعد چلا گیا تو نبیل نے اس پر نظریں جما دی تھیں۔ وہ پہلے جتنی پریشان تھی اب اس سے زیادہ نروس نظر آ رہی تھی۔

اپنے اردگرد کے خوبصورت ماحول پر نظریں دوڑانے کے بجائے وہ ٹیبل پر پڑے کینڈل اسٹینڈ پر نظریں جمائے ہوئے تھی۔ وہ کچھ دیر تک اس کی اس سرگرمی کو دیکھتا رہا۔ پھر اس نے بہت آہستگی سے کینڈل اسٹینڈ ٹیبل سے اٹھا لیا تھا۔ رومیصہ کی نظروں نے اس کے ہاتھ میں آنے تک کینڈل اسٹینڈ کا تعاقب کیا تھا۔ پھر اس نے حیرانی سے اسے دیکھا تھا۔ پھر اس نے بہت پرسکون انداز میں کینڈل اسٹینڈ کو فلور پر رکھ دیا تھا اور پھر پہلے کی طرح اطمینان سے کچھ کہے بغیر ٹیبل پر بازو ٹکا کر بیٹھ گیا تھا۔ وہ کچھ دیر تک شرمندگی کے عالم میں ٹیبل پر ادھر سے ادھر نظر دوڑاتی رہی۔ لیکن کسی چیز کو مستقل طور پر دیکھنے کی کوشش اس نے نہیں کی۔ چند لمحوں کے بعد اس نے اپنی گود میں رکھے ہوئے بیگ پر نظریں جما دی تھیں۔ نبیل نے ایک گہری سانس لی تھی۔ وہ کم از کم بیگ وہاں سے نہیں ہٹا سکتا تھا۔ ویٹر سوفٹ ڈرنک سرو کرنے آیا تھا اور نبیل کے کہنے پر کینڈل اسٹینڈ اٹھا کر لے گیا تھا۔

''پلیز۔'' اس نے ویٹر کو جانے کے بعد ہاتھ کے اشارے سے اسے ڈرنک شروع کرنے کا اشارہ کیا تھا ایک سپ لینے کے بعد وہ دوبارہ پرانی سرگرمی میں مشغول ہو گئی تھی۔ تھوڑی دیر بعد نبیل نے اسے کہا تھا۔

''آپ ڈرنک نہیں لے رہی ہیں؟''

''میں پی لوں گی۔'' ہلکی سی آواز میں اس کی طرف دیکھے بغیر جواب دیا گیا تھا۔ وہ خاموشی سے ڈرنک کے سپ لیتا اسے دیکھتا رہا۔ پہلے سپ کے علاوہ اس نے دوبارہ گلاس کو ہاتھ نہیں لگایا تھا وہ اس کی نظریں خود پر جمی محسوس کر رہی تھی۔ اور اس کی ہمت نہیں ہو رہی تھی کہ وہ نظر اٹھا سکے۔ لنچ سرو ہونے تک نبیل سکندر نے دوبارہ اسے مخاطب نہیں کیا تھا۔ لنچ سرو ہونے کے بعد اس نے ایک بار پھر اسے مخاطب کیا تھا۔

''آپ شروع کریں۔'' وہ بڑے اطمینان سے ٹیبل پر بازو ٹکا کر اس کے کھانا شروع کرنے کا انتظار کرنے لگا۔ رومیصہ نے ایک نظر اٹھا کر اسے دیکھا تھا پھر ٹیبل پر نظر دوڑائی تھی۔ بڑی ہمت کر کے اس نے اپنے آگے رکھی ہوئی پلیٹ میں تھوڑے سے چاول نکال لیے تھے۔ اسے کھانا شروع کرتے دیکھ کر نبیل سکندر نے بھی اپنی پلیٹ آگے سرکا لی تھی۔

پھر پورا وقت وہ چاولوں میں چمچ پھیرتی رہی۔ اس نے شاید کچھ نہ کھانے کا تہیہ کر رکھا تھا۔ اس نے دو تین بار اسے کچھ اور لینے کے لیے کہا تھا۔ مگر جب اس نے ان چیزوں کو بھی پلیٹ میں رکھ کر بس وقت گزارنا شروع کیا تو نبیل سکندر نے اپنا اصرار ترک کر دیا تھا جب تک وہ لنچ سے فارغ ہوا وہ تب بھی پلیٹ میں ان ہی چیزوں کو لیے چمچ سے انھیں اِدھر سے اُدھر کر رہی تھی۔ اس نے ایک نظر اس کی پلیٹ پر ڈالی تھی۔ بڑے تحمل سے اس نے رومیصہ سے پوچھا تھا۔

''آئس کریم کھائیں گی؟''

میں آئس کریم نہیں کھاتی ہوں۔'' اس نے چمچ ہاتھ سے چھوڑ کر پلیٹ ہاتھ سے پیچھے سرکا دی تھی۔

''چائے پئیں گی؟''

''نہیں۔''

''کافی؟''

''نہیں۔''

''کوئی اور چیز؟''

''نہیں۔''

''آل رائٹ۔'' نبیل نے یہ کہہ کر ویٹر کو بل لانے کے لیے کہہ دیا تھا۔

واپسی کا سفر بھی اسی خاموشی سے ہوا تھا مگر اب وہ پہلے کی نسبت پرسکون تھی۔ جہاں تک نبیل سکندر کا تعلق تھا تو یہ اس کی زندگی کا بدترین لنچ تھا جو اس نے کسی لڑکی کے ساتھ کیا تھا۔ اس نے پورے ڈیڑھ گھنٹے میں ایک بار بھی اس کے چہرے پر نظر جمانے کی کوشش نہیں کی تھی۔ وہ پریشان تھی یا خوفزدہ۔ یہ وہ اندازہ نہیں کر پایا تھا مگر وہ یہ ضرور جان گیا تھا کہ اسے لنچ پر اس کے ساتھ آنا پسند نہیں آیا اور شاید یہ اس کی ناپسندیدگی کے اظہار کا طریقہ تھا۔ جس نے اس جیسے بندے کو خاصا ڈسٹرب کیا تھا واپس رومیصہ کے آفس میں آکر اس نے کہا تھا۔

''میں آپ کو پندرہ منٹ دیتا ہوں۔ آپ لنچ کر لیں۔''

رومیصہ اندازہ نہیں لگا پائی کہ وہ ناراض تھا یا نہیں، بہر حال دوبارہ اس نے اسے لنچ کی آفر کرنے کی کوشش نہیں کی۔

.........✿.........

''آؤ نبیل! آؤ۔'' سکندر علی نے اسے اپنے بیڈ روم کے دروازے پر دستک دے کر اندر آنے کی اجازت مانگتے دیکھا تھا۔

''آپ کو کوئی کام تو نہیں ہے؟'' اس نے باپ کے قریب صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا تھا جو فائلیں دیکھ رہے تھے۔

''نہیں۔ اب ایسا بھی کوئی کام نہیں ہے یہ تو بس میں کچھ بلز کی فائلز دیکھ رہا ہوں۔ تمھیں کچھ کہنا ہے مجھ سے؟'' انھوں نے ہاتھ میں پکڑی ہوئی فائل میز پر رکھ دی تھی۔

''ہاں، مجھے آپ سے بہت ضروری بات کرنی ہے۔ اصل میں پاپا! میں شادی کرنا چاہتا ہوں۔''

بغیر کسی تمہید کے اس نے اپنے مخصوص انداز میں سیدھے موضوع پر آتے ہوئے کہا تھا۔ سکندر علی کے چہرے پر مسکراہٹ لہرا گئی تھی۔

''That's very good لگتا ہے، کوئی لڑکی پسند آ ہی گئی ہے تمھیں۔''

''وہ ان کی بات پر مسکرایا تھا۔'' بالکل نہ صرف مجھے پسند آ گئی ہے بلکہ میرا خیال ہے آپ کو بھی پسند آئے گی۔''

''اچھا۔ اس کا مطلب ہے کافی سوچ سمجھ کر انتخاب کیا ہے؟'' ان کے لہجے کی دلچسپی بڑھ گئی تھی۔

''پاپا! آپ میری سیکرٹری کو جانتے ہیں نا رومیصہ عمر کو۔ میں اسی سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔''

اس کی بات پر انھیں جیسے شاک لگا تھا۔ کچھ دیر تک تو وہ کچھ بول ہی نہیں پائے۔ بس حیرت سے اس کا چہرہ دیکھتے رہے۔

''مجھے یقین نہیں آرہا نبیل! اس بات پر جو تم نے کہی ہے۔ تم اپنی سیکرٹری سے شادی کرنا چاہتے ہو؟ انھوں نے اس سے کہا تھا۔

''پاپا! آپ کو بھی یہ بات سن کر یقین نہیں آئے گا کہ میں نے اسے پہلی بار دیکھتے ہی شادی کا فیصلہ کر لیا تھا۔ سیکرٹری کے طور پر اپائنٹ تو میں نے اسے صرف اس لیے کیا تھا تاکہ میں اس کے طور طریقوں کے بارے میں تھوڑا بہت جان سکوں اور اب جب میں اس سے مطمئن ہوں تو میں اس سے شادی کرنا چاہ رہا ہوں۔''

سکندر علی کے چہرے پر سنجیدگی کے آثار نمایاں تھے۔

''یہ ایک بہت احمقانہ اور جذباتی قسم کا فیصلہ ہے اور ایسا فیصلہ کرنے والے اکثر اس پر پچھتاتے ہیں۔'' انھوں نے سمجھانے کی کوششوں کا آغاز کرتے ہوئے پہلا جملہ بولا تھا۔

''پاپا! کم از کم اس بار ایسا نہیں ہوگا۔''

ویسے بھی میں کوئی ٹین ایجر نہیں ہوں۔ بتیس سال کا ہوں اور میرے خیال میں یہ کافی میچور عمر ہے۔ میں جانتا ہوں رومیصہ کے بارے میں آپ کو بہت سے خدشات اور اعتراضات ہوں گے۔ مثلاً یہ کہ وہ لوئر مڈل کلاس سے تعلق رکھتی ہے۔ اس کا مضبوط تو ایک طرف کوئی بیک گراؤنڈ ہی نہیں ہے۔ تعلیم کم ہے، پھر ورکنگ گرل ہے۔ عمر میں مجھ سے بہت چھوٹی ہے۔ مگر ان باتوں کے بارے میں پہلے ہی اچھی طرح سوچ چکا ہوں اور میرا نہیں خیال کہ یہ چیزیں میرے یا اس کے لیے شادی کے بعد کوئی مسئلہ کھڑا کر دیں گی۔ میرے لیے سب سے اہم چیز یہ ہے کہ وہ ایک بہت اچھی لڑکی ہے اور میں امید کرتا ہوں کہ آپ اعتراض نہیں کریں گے۔''

وہ بہت روانی سے بولتا چلا گیا تھا۔ سکندر علی نے بہت غور سے اس کی باتوں کو سنا تھا۔

''تمھیں لگتا ہے کہ وہ ہمارے ماحول میں ایڈجسٹ کر پائے گی، تمھارے ساتھ چل سکے گی؟'' اس کی باتیں سننے کے بعد انھوں نے اس سے پوچھا تھا۔

''بالکل وہ نہ صرف یہاں ایڈجسٹ کر لے گی، بلکہ اچھی طرح ایڈجسٹ کر لے گی وہ بہت کمپرومائزنگ ہے، صبر ہے اس میں ضد یا انا ٹائپ کی کوئی چیز نہیں ہے اس میں اور میرے خیال میں ایک اچھی بیوی میں یہی خوبیاں ہونی چاہئیں۔''

''تمھاری ممی تو اس بات پر ہنگامہ کھڑا کر دیں گی۔'' سکندر علی نے اس کی ماں کا غصہ یاد دلانے کی کوشش کی تھی۔

''ان کی مجھے پرواہ نہیں ہے، وہ اگر مان گئیں تب بھی اور نہ مانیں تب بھی مجھے کوئی پریشانی نہیں ہے۔ میں صرف آپ کی رضامندی چاہتا ہوں اور آپ کو یاد ہے، آپ نے مجھ سے کہا تھا کہ میں جہاں شادی کرنا چاہتا ہوں کر سکتا ہوں۔ آپ کو کوئی اعتراض نہیں ہوگا اور اگر ہوگا بھی تب بھی آپ مجھے شادی سے نہیں روکیں گے۔''

اس نے سکندر علی کو ان کا وعدہ یاد دلایا تھا۔ ایک پھیکی سی مسکراہٹ ان کے چہرے پر آئی تھی۔

''مگر مجھے یہ توقع تھی کہ شاید تم کسی غیر ملکی لڑکی سے شادی کرنا چاہتے ہو؟'' انھوں نے کہا تھا۔

''جو بھی تھا وعدہ تو وعدہ ہے۔ آپ کو پورا تو کرنا پڑے گا۔''

''ٹھیک ہے نبیل! میں اس بارے میں سوچوں گا اور تمہاری ممی سے بھی بات کروں گا۔'' انھوں نے ایک گہری سانس لے کر کہا تھا۔

''دیکھیں پاپا! آپ ممی کو بتا دیجئے گا کہ اگر انھیں اعتراض ہو تب بھی میں شادی تو اسی لڑکی سے کروں گا، اس لیے بہتر ہے کہ وہ اعتراض نہ کریں۔ آفٹر آل زندگی مجھے گزارنی ہے اور کس کے ساتھ کس طرح گزارنی ہے۔ یہ فیصلہ کرنے کا حق بھی مجھے ہی ہونا چاہیے۔''

وہ یہ کہتا ہوا اٹھ کر کھڑا ہو گیا تھا اور جب سکندر علی نے اپنی بیوی سے یہ بات کی تھی تو انھوں نے حسب توقع ایک ہنگامہ برپا کر دیا تھا وہ بے حد غصے اور طیش میں تھیں۔ لیکن نبیل کو ان کی کوئی خاص پروا نہیں تھی۔ وہ جانتا تھا گھر میں باپ کا حکم چلتا ہے۔ اس لیے ممی جتنا شور مچا لیں وہ اپنی مرضی کا کام نہیں کروا سکتی تھیں اور وہ جانتا تھا کہ باپ اسے اس شادی کی اجازت دے دے گا اور ایسا ہی ہوا تھا۔ انھوں نے بادل نخواستہ سہی لیکن اس کو شادی کے لیے رضامندی دے دی تھی لیکن اپنی بیوی کے غصے کو وہ ختم نہیں کر سکے تھے۔ اور فاخرہ اس رشتے کی مخالفت میں تنہا نہیں تھیں۔ نبیل کے سارے گھر والے، اس کے بھائی بھابیاں حتیٰ کہ ذیشان بھی اس رشتے کی مخالفت کر رہا تھا۔ بھائیوں میں اگر کسی کے ساتھ اس کی دوستی تھی تو صرف ذیشان کے ساتھ اور یہی حال ذیشان کا تھا۔

مگر اب جب نبیل نے اسے اپنے فیصلے کے بارے میں بتایا تھا تو وہ نہ صرف حیران ہوا تھا بلکہ اس نے نبیل کا مذاق بھی اڑایا تھا۔

''تو نبیل سکندر صاحب شادی کرنا چاہتے ہیں۔ ہاؤ فنی۔''

''اس میں مذاق کی کیا بات ہے؟'' نبیل کو اس کے لہجے کا تمسخر پسند نہیں آیا تھا۔

''دیکھیں جناب نبیل صاحب! آپ کچھ بھی ہو سکتے ہیں، مگر آپ کبھی بھی ایک اچھے شوہر نہیں ہو سکتے۔ پھر کیوں خود کو اس رول میں ٹرائی کرنا چاہتے ہیں؟'' اس کی طرح ذیشان بھی خاصا صاف گو تھا۔

''کیوں میں اچھا شوہر کیوں نہیں ہو سکتا؟''

''یہ سوال آپ کو اپنے آپ سے کرنا چاہیے۔ جواب بڑی آسانی سے مل جائے گا۔ رشتہ بہت زیادہ بھی ہوا تو صرف چند سال چل سکے گا وہ بھی اگر تمہاری بیوی میں صبر اور برداشت کا مادہ وافر مقدار میں ہوا تو اور جب بھی اس کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوا تو وہ تمہاری شادی شدہ زندگی کا آخری دن ہوگا۔''

ذیشان کا تجزیہ حقیقت پسندانہ تھا کیونکہ وہ نبیل سکندر کو بہت اچھی طرح جانتا تھا۔ لیکن اس کی باتوں نے نبیل کو ہرٹ نہیں کیا۔ وہ بڑے سکون سے اس کی باتیں سنتا رہا تھا۔

''ذیشان! کم از کم اس معاملے میں میں تمھیں حیران کر دوں گا۔ تم دیکھو گے کہ میں اس رشتے کو نبھانے کے لیے کس حد تک جاتا ہوں۔ کم از کم مجھے شبہ نہیں ہے کہ میں اور رومیصہ بہت اچھی زندگی گزاریں گے۔'' اس کے لہجے میں بے حد سنجیدگی تھی۔

جس لڑکی کی تم بات کر رہے ہو۔ اس میں ہر وہ خامی ہے جو ہماری کلاس کے نزدیک نا قابل برداشت ہوتی ہے۔ صرف خوبصورتی کی وجہ سے تم کب تک اسے سراہتے رہو گے۔ اس کا سارا چارم شادی کے چار دن کے بعد ختم ہو جائے گا پھر تمہیں اس میں صرف خامیاں نظر آنے لگیں گی تب تم کیا کرو گے۔ ابھی تو اس نے تمہیں اور تمہاری دولت کو دیکھا ہے۔

تمہاری کسی خامی کے بارے میں وہ جانتی نہیں ہوگی اور اگر جانتی بھی ہوگی تو اسے یہ لگتا ہوگا کہ تم شادی کے بعد بالکل صحیح ہو جاؤ گے۔ لیکن بعد میں جب وہ تمہارے بارے میں جاننا شروع کرے گی پھر وہ بہت مسائل کھڑے کرے گی تمہارے لیے اس اٹھارہ، انیس سال کی لڑکی سے شادی کر کے تمہیں صرف ٹینشن ملے گی۔ وہ عمر میں تم سے بہت چھوٹی ہے ظاہر ہے میچور بھی نہیں ہوگی اور نہ ہی ہماری کلاس کی لڑکیوں کی طرح براڈ مائنڈڈ ہوگی، جو اپنے شوہروں کو تھوڑی بہت آزادی ضرور دیتی ہیں۔ مجھے تو حیرت ہے کہ تم نے یہ سب سوچا کیسے ہے صرف خوبصورتی دیکھ کر پاگل ہو گئے ہو۔ نہیں نبیل سکندر صاحب! آپ بہت حماقت کا ثبوت دے رہے ہیں، ایسے رشتے دیر تک نہیں چلتے۔ کل پچھتانے کے بجائے بہتر ہے کہ آج ہی کچھ عقل سے کام لیں۔

ذیشان نے اس کو سمجھانے کے لیے بے تحاشا دلائل دیے تھے۔ مگر نبیل قائل نہیں ہوا تھا۔ اسے قائل کرنا بہت مشکل کام ہوتا تھا وہ دوسروں کی بات سن لیا کرتا تھا مگر کرتا صرف وہی تھا جسے وہ ٹھیک سمجھتا تھا۔

''مجھے مزید سوچنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں بہت سوچ چکا ہوں اور جتنا میں سوچ رہا ہوں، میرا فیصلہ اور ارادہ اتنا ہی مضبوط ہوتا جا رہا ہے۔ مجھے اسی سے شادی کرنا ہے۔''

اس نے ذیشان کی ساری باتوں کے جواب میں بس یہی کہا تھا۔ ذیشان نے مزید سر کھپانے کی کوشش نہیں کی تھی۔

''ٹھیک ہے جیسا تم بہتر سمجھتے ہو۔'' اس نے یہ کہہ کر بات کا موضوع بدل دیا تھا۔

اس دن اسے آفس میں آئے ہوئے تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی۔ جب خلاف توقع اور خلاف معمول نبیل سکندر ساڑھے نو بجے آفس آ گیا تھا۔ رومیصہ نے حیرانی سے اسے آفس میں داخل ہوتے دیکھا تھا۔ اپنی تین ماہ کی سروس میں ایسا پہلی دفعہ ہوا تھا۔

''آپ ذرا میرے آفس میں آئیں۔'' وہ اس کی ٹیبل کے پاس سے گزرتے ہوئے کہہ گیا تھا۔ وہ خاموشی سے اٹھ کر اس کے پیچھے آفس میں چلی گئی تھی۔ وہ اپنا کوٹ اتار کر ریوالونگ چیئر کی پشت پر ڈال رہا تھا۔ جب وہ اندر داخل ہوئی تھی۔

''بیٹھیں۔'' اس نے ہاتھ کے اشارے سے کہا تھا۔ لیکن خود وہیں کھڑا رہا تھا۔ وہ رائٹنگ پیڈ ٹیبل پر رکھ کر ڈکٹیشن لینے کے لیے تیار ہو گئی۔ کچھ دیر تک وہ ریوالونگ چیئر کے پیچھے کھڑا اسے دیکھتا رہا پھر ایک گہری سانس لے کر چیئر پر بیٹھ گیا۔

"Are you engaged?" (آپ انگیجڈ ہیں؟) وہ اس کے اس غیر متوقع سوال پر حیران رہ گئی تھی۔

"No" بمشکل اس کے حلق سے آواز نکلی تھی۔ نبیل سکندر کے چہرے پر اطمینان کی ایک لہر دوڑ گئی تھی۔ کچھ دیر تک وہ خاموش رہا پھر اس نے کہا۔

"Alright then would you like to marry me?" (آل رائٹ تو آپ مجھ سے شادی کریں گی؟)

اسے جیسے دو ہزار وولٹ کا کرنٹ لگا تھا۔ وہ حیرت سے اس کا منہ دیکھتی رہ گئی تھی۔

''آپ کیا کہہ رہے ہیں؟''

''میں یہ کہہ رہا ہوں کہ کیا آپ مجھ سے شادی کریں گی؟'' نبیل کا اطمینان ابھی بھی برقرار تھا۔ وہ حیرانی کے عالم میں اس کے چہرے پر نظریں جمائے ہوئے تھی۔ کچھ دیر تک دونوں کے درمیان خاموشی چھائی رہی تھی پھر اس نے ٹیبل کے ایک کونے میں پڑی ہوئی ایک ڈبیا کھول کر اس کے آگے سرکا دی۔ اس نے ڈبیا کو دیکھا تھا۔ ایک خوبصورت انگوٹھی اس میں جگمگا رہی تھی۔

''یہ کیا ہے؟'' اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ ''انگیجمنٹ رنگ ہے۔ پہن لیں۔ یا اگر آپ اجازت دیں تو میں پہنا دوں؟''

وہ اپنی چیئر سے کھڑا ہو گیا تھا اور اس سے پہلے کہ وہ حرکت کرتا۔ وہ بھی بوکھلا کر اپنی کرسی سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

''میری سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ مجھے باہر جانا ہے، کام کرنا ہے مجھے۔'' نبیل نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا تھا۔

''میرے والدین ایک دو دن تک آپ کے گھر آئیں گے اور مجھے امید ہے کہ آپ کی طرف سے انکار نہیں ہوگا۔'' وہ اس کے پاس آ گیا تھا۔

''مجھے باہر جانا ہے۔'' اس نے بے چارگی سے کہا تھا۔

''آپ بیٹھ جائیں۔ مجھے آپ سے کچھ اور باتیں بھی کرنی ہیں۔''

''مجھے بہت کام ہے۔'' وہ کسی طرح وہاں سے بھاگ جانا چاہتی تھی۔

''میں نے کہا ناں، بیٹھ جائیں۔'' اس بار اس نے ترش لہجے میں اسے جھڑکتے ہوئے کہا تھا۔ وہ دھڑکتے دل کے ساتھ اپنی کرسی پر بیٹھ

گئی۔ وہ اس کے ساتھ رکھی ہوئی دوسری کرسی پر بیٹھ گیا۔

"کیا آپ کو اس پرپوزل پر کوئی اعتراض ہے؟" اس نے بیٹھتے ہی اس سے پوچھا تھا۔

"دیکھیں۔ میں یہاں کام کرنے آتی ہوں۔"

"میں جانتا ہوں مگر میں نے تم کو اسی کام کے لیے رکھا تھا۔ جب میں نے پہلی بار وہاں آفس میں تمھیں انٹرویو دیتے ہوئے دیکھا تو میں نے سوچا تھا This girl is going to be my wife (یہ لڑکی میری بیوی بنے گی) میں تمھیں اس وقت پرپوز کر دینا چاہتا تھا مگر پھر تمھارے بارے میں کچھ اور جاننے کے لیے میں نے تمھیں جاب دی اور اب میں تمھیں پرپوز کر رہا ہوں۔ تمھاری فیملی اور حالات کے بارے میں تقریباً سب کچھ جانتا ہوں۔ سو تمھیں اس بارے میں کوئی پریشانی نہیں ہونی چاہیے۔ تم سے کوئی وعدے تو نہیں کرنا چاہتا مگر پھر بھی یہ یقین ضرور دلاتا ہوں کہ میرے ساتھ تم بہت خوش رہوگی کیا اتنی یقین دہانی کافی نہیں ہے۔"

اس کی آنکھوں میں کوئی ایسی بات تھی جس نے اسے نبیل کے چہرے سے نظر ہٹانے پر مجبور کر دیا تھا۔ اس نے رومیصہ کا ہاتھ تھام لیا تھا۔ اس نے مزاحمت نہیں کی۔ وہ جیسے ہپناٹائز ہو چکی تھی۔ بہت آہستگی سے نبیل نے اس کے ہاتھ میں انگوٹھی پہنا دی تھی۔ وہ خاموشی سے اپنا ہاتھ دیکھتی رہی۔ وہ کچھ دیر تک دونوں ہاتھوں میں تھامے ہوئے اس کے خوبصورت ہاتھ کو دیکھتا رہا پھر وہ ایک گہری سانس لے کر اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"تھینک یو ویری مچ۔ تم آفس سے اپنی چیزیں سمیٹ لو۔ نیچے میری گاڑی میں ڈرائیور تمھارا انتظار کر رہا ہوگا۔ تم گھر چلی جاؤ اور کل سے آفس مت آنا۔"

وہ سر جھکائے اس کی آواز سنتی رہی تھی۔ بات ختم ہونے پر وہ اس کی طرف دیکھے بغیر کمرے سے باہر آ گئی تھی۔ گھر آ کر اس نے خالہ کو طبیعت کی خرابی کا بتایا تھا اور آرام کرنے کو کہہ کر لیٹ گئی تھی۔ انگوٹھی اس نے گاڑی میں ہی اتار کر بیگ میں رکھ لی تھی۔ وہ خالہ کے سامنے اس انگوٹھی کی موجودگی کا کوئی جواز پیش نہیں کر سکتی تھی۔ نہ ہی اس میں اتنی ہمت تھی کہ وہ اس پرپوزل کے بارے میں خالہ کو بتا دیتی۔

خالہ بری نہیں تھیں مگر بہت اچھی بھی نہیں تھیں۔ اس کی امی بہت چھوٹی عمر میں فوت ہو گئی تھیں اور اس کے ابو نے اسے اکیلے ہی پالا تھا مگر سات آٹھ سال بعد ان کا بھی انتقال ہو گیا تھا وہ تب ساتویں میں تھی۔ ابو ایک فرم میں اکاؤنٹنٹ تھے اور جب تک وہ زندہ رہے۔ رومیصہ ان کی آنکھوں کا تارا بنی رہی۔ انھوں نے اسے ہر آسائش دینے کی کوشش کی۔ مگر ان کی وفات کے ساتھ ہی حالات بدل گئے تھے۔ وہ اپنے گھر سے خالہ کے گھر آ گئی تھی۔ خالہ نے اس کا گھر بیچ دیا تھا اور ابو کے آفس سے جو رقم ملی تھی وہ بھی انھوں نے یہ کہہ کر اپنے پاس رکھ لی تھی کہ بڑے ہو کر اس کی شادی کے کام آئے گی۔ وہ اتنی چھوٹی تھی کہ ان معاملات میں بول ہی نہیں سکتی تھی پھر اسے خالہ کے ساتھ رہنا تھا۔ وہ اگر اعتراض کرتی تو اپنے لیے ہی کانٹے بوتی۔ خالہ نے سب سے پہلے اس کا اسکول بدلا تھا اس وقت انھوں نے یہ بہانا کیا تھا کہ وہ اکیلی اسکول جائے گی تو وہ پریشان ہوں گی۔ اس لیے بہتر ہے وہ ان کی بیٹیوں کے ساتھ اسکول جائے۔ وہ کچھ کہہ نہیں پائی تھی۔ انگلش میڈیم سے وہ گورنمنٹ اسکول آ گئی تھی پھر آہستہ آہستہ بہت کچھ بدل گیا تھا۔

دو سال میں خالہ نے اپنی دو بیٹیوں کو بیاہ دیا تھا اور وہ بھی خاصی دھوم دھام سے اتنا پیسہ کہاں سے آیا، تقریباً سب ہی جانتے تھے انھوں نے رومیصہ کے باپ کا روپیہ اپنی بیٹیوں کے جہیز پر خرچ کر دیا تھا ورنہ اپنے کلرک شوہر کی کمائی سے وہ بیٹیاں کیسے بیاہ سکتی تھیں۔ ان کی چار بیٹیاں اور ایک بیٹا تھا جو سب سے چھوٹا تھا۔ دو بیٹیاں بیاہنے کے بعد انھوں نے رومیصہ کو کوئی جاب ڈھونڈنے پر مجبور کرنا شروع کر دیا تھا۔ وہ ہر وقت یہی کہا کرتی تھیں۔

''بھئی۔ آج کل تو سب لڑکیاں جاب کرتی ہیں اس طرح کام کرنے والی لڑکیوں کی عزت بھی ہوتی ہے اور وہ دوسروں پر بوجھ بھی نہیں بنتیں۔ میں تو تمھیں پڑھا بھی اس لیے رہی ہوں کہ تم بھی اپنے پیروں پر کھڑی ہو جاؤ''

اپنی بیٹیوں کے لیے ان کے خیالات اور ارشادات اور طرح کے ہوتے تھے انھیں وہ کبھی گھر کے کام کے سوا باہر نکلنے کی اجازت نہیں دیتی تھیں۔ ایف اے کرتے ہی انھوں نے رومیصہ کو جاب ڈھونڈنے پر لگا دیا تھا اور وہ نہ چاہتے ہوئے بھی باہر نکلنے پر مجبور ہو گئی تھی۔ خالہ کی دونوں بیٹیاں رومیصہ سے بڑی تھیں شاید وہ یہ چاہتی تھیں کہ رومیصہ بھی گھر کی آمدنی میں کچھ اضافہ کرے تاکہ وہ اپنی باقی دونوں بیٹیوں کے فرض سے بھی سبکدوش ہو سکیں اور رومیصہ اس بات سے واقف تھی لیکن وہ کچھ نہیں کر سکتی تھی، وہ خالہ کا گھر نہیں چھوڑ سکتی تھی ان کے علاوہ اس کا کوئی اور سگا رشتہ دار نہیں تھا اور جو دور پار کے رشتے دار تھے بھی وہ اس کی ذمہ داری کہاں اپنے کندھوں پر لے سکتے تھے۔ بہت صبر سے وہ یہاں وقت گزار رہی تھی۔ مگر اب زندگی میں جو انقلاب آیا تھا اس نے اسے دنگ کر دیا تھا۔

*

نبیل سکندر کے والدین تین دن بعد آئے تھے اور تین دن تک وہ طبیعت کی خرابی کا بہانہ بنا کر گھر پر ہی رہی۔ وہ خالہ کو جاب چھوڑنے کا نہیں بتا سکتی تھی۔ نبیل کے پرپوزل پر خالہ کا ردعمل عجیب تھا۔ پہلے انھیں یقین نہیں آیا کہ وہ واقعی رومیصہ کا رشتہ اپنے بیٹے کے لیے مانگ رہی ہیں سکندر علی کی بیوی کا رویہ بھی کافی نخوت بھرا تھا۔ مگر سکندر علی کافی سلیقے اور قرینے سے بات کر رہے تھے۔ پھر خالہ نے سوچنے کے لیے وقت مانگا مگر ان کے جانے سے پہلے یہ کہہ کر انکار کر دیا ان کے خاندان میں لڑکیوں کی شادیاں خاندان سے باہر نہیں کرتے پھر رومیصہ ابھی بہت چھوٹی ہے۔ فاخرہ سکندر علی اس انکار سے کافی خوش ہوئی تھیں جبکہ سکندر علی نے اسے اپنی توہین جانا تھا اور کافی ناراضگی کے عالم میں واپس گئے تھے۔ ان کے جانے کے بعد خالہ اس کے پاس آئی تھیں اور عجیب نظروں سے اسے دیکھتی رہی تھیں پھر انھوں نے بڑے نارمل انداز میں کہا تھا۔

''جس کے ساتھ تم کام کرتی ہو۔ اس نے اپنا رشتہ بھیجا ہے۔ میں نے انکار کر دیا۔ تم نے بتایا تھا نا کہ وہ اچھا آدمی نہیں ہے پھر میں تمھیں اس کے ساتھ کیسے بیاہ دیتی۔ ویسے بھی تم ابھی چھوٹی ہو پہلے تو نازیہ اور شازیہ کی شادی ہو گی اور پھر مجھے لڑکے کی ماں بھی اس رشتے پر خوش نظر نہیں آئی۔ خیر دفع کرو ان باتوں کو تم ذرا رات کا کھانا بنا لو۔''

وہ اس کے پاس سے اٹھ کر چلی گئی تھیں اور پتا نہیں کیوں لیکن رومیصہ کا دل چاہا تھا کہ وہ بلند آواز سے رونے لگے۔ اسے نبیل سکندر سے عشق تھا نہ محبت نہ اس نے اس کے ساتھ کوئی عہد و پیمان کیے تھے۔ پھر بھی وہ اس سے شادی کرنا چاہتی تھی۔ یک دم اسے خالہ کا گھر جہنم لگنے لگا تھا۔

پچھلے تین دن اسے یوں لگتا رہا تھا جیسے قسمت اس پر مہربان ہوگئی ہے اور اب اسے یوں لگ رہا تھا جیسے یہ ایک فریب تھا۔ نہ وہاں کوئی نبیل سکندر تھا نہ اس کے لیے کوئی سائبان سب کچھ پہلے ہی کی طرح صحرا تھا۔ لیکن وہ کسی چیز کا اظہار کرنا نہیں چاہتی تھی۔ وہ خالہ پر یہ ظاہر نہیں کرنا چاہتی تھی کہ ان کے انکار سے اسے دکھ ہوا ہے۔ اس لیے بڑے حوصلے کے ساتھ وہ رات کا کھانا تیار کرنے میں مصروف ہوگئی تھی۔

اس وقت شام کے چھ بج رہے تھے جب اچانک دروازے پر دستک ہوئی تھی۔ خالہ کا بیٹا دروازہ کھولنے گیا تھا اور کچھ دیر بعد وہ اندر آیا تھا۔

''رومیصہ باجی کے دفتر سے کوئی نبیل سکندر آئے ہیں۔'' وہ دستر خوان پر کھانا لگانا بھول گئی تھی۔ فق ہوتے ہوئے چہرے کے ساتھ اس نے خالہ کو دیکھا تھا جو سپاٹ چہرے کے ساتھ اسے ہی دیکھ رہی تھیں۔

''میں دیکھتا ہوں۔'' خالو اٹھ کر باہر چلے گئے تھے۔ خالہ بھی ان کے پیچھے ہی نکل گئی تھیں۔ دروازے پر نبیل سکندر منتظر کھڑا تھا۔ اس نے خالو سے ہاتھ ملایا اور پھر اپنا تعارف کروایا۔

''میں آپ سے کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں اگر آپ مجھے اندر آنے دیں۔''

اس نے خالو سے کہا تھا۔ جو اس کے حلیے سے بہت مرعوب ہوگئے تھے اور کچھ ایسا ہی حال خالہ کا تھا۔ ان کے تصور میں بھی نہیں تھا کہ نبیل سکندر اس قدر خوبرو ہوسکتا ہے۔ خالو اسے ڈرائنگ روم میں لے گئے تھے اور نبیل نے بیٹھتے ہی اپنے آنے کا مقصد بیان کرنا شروع کر دیا تھا۔ خالو کچھ حیران ہوئے تھے کیونکہ ابھی تک خالہ نے انہیں چند گھنٹے پہلے آنے والے رومیصہ کے پرپوزل کے بارے میں نہیں بتایا تھا اور نہ ہی وہ یہ جانتے تھے کہ ان کی بیوی نے انکار کر دیا تھا۔ وہ حیران تھے کہ اگر ایسا رشتہ آیا تھا تو خالہ نے سوچنے کے لیے وقت لینے کے بجائے انکار کیوں کر دیا۔

''آپ کو مجھ میں کیا کمی نظر آتی ہے؟'' نبیل نے خالہ سے پوچھا تو اس کے سوال پر گڑبڑا گئی تھیں۔ ان کے تو وہم و گمان میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ نبیل سکندر رشتہ ٹھکرانے کے چند گھنٹوں بعد ہی ان کے سامنے ہوگا۔

''وہ اصل میں بیٹا ہمارے ہاں لڑکیاں خاندان سے باہر بیاہنے کا رواج نہیں ہے۔'' انھوں نے بہت کمزور سے لہجے میں کہا تھا۔

''یہ تو کوئی وجہ نہیں ہے۔ میرا فیملی بیک گراؤنڈ بہت اچھا ہے۔ اور میرا خیال ہے ہمارے خاندان کے ساتھ رشتہ جوڑ کر آپ کو بہت خوشی ہوگی، دوسری بات آپ نے میرے والدین کو یہ کہی تھی کہ رومیصہ ابھی کم عمر ہے۔ ٹھیک ہے وہ کم عمر ہے لیکن کیا لڑکیوں کی شادی کم عمری میں نہیں ہوتی اور ویسے بھی وہ کوئی بارہ یا تیرہ سال کی تو نہیں ہے پھر عمر کا کیا مسئلہ ہے۔ ایک بات تو بہر حال طے ہے کہ مجھے ہر صورت میں اسی کے ساتھ شادی کرنا ہے اگر آپ کو عمر کا کوئی مسئلہ لگتا ہے تو ٹھیک ہے میں چند سال انتظار کر لیتا ہوں۔ لیکن آپ میرے ساتھ اس کا نکاح کر دیں۔ میں آپ لوگوں کی بہت عزت کرتا ہوں اور آپ کی مدد بھی کرنا چاہتا ہوں۔ رومیصہ کے بدلے میں اگر آپ مجھ سے کوئی مطالبہ بھی کریں گے تو میں اسے پورا کروں گا۔ اگر آپ کی کوئی ڈیمانڈ ہے تو آپ بتا دیں۔ لیکن رومیصہ کی شادی اگر ہوئی تو صرف مجھ سے کہیں اور نہیں ہوگی۔ اگر آپ اپنی مرضی سے نہیں کریں گے تو پھر مجھے کوئی اور راستہ اختیار کرنا پڑے گا۔ جو میں نہیں کرنا چاہتا ہوں۔ کیونکہ آپ رومیصہ کے رشتہ دار ہیں اس لیے میں آپ کی عزت کرتا ہوں لیکن آپ کو اپنا فیصلہ بدلنا پڑے گا۔''

اس نے بہت دھیمے لیکن بہت مستحکم آواز میں انھیں اپنے عزائم سے آگاہ کر دیا تھا۔ خالہ نے گلا صاف کر کے کہا۔

''دیکھو بیٹا! رومیصہ میری دونوں بیٹیوں سے چھوٹی ہے۔ ان کی شادی کیے بغیر اس کی کیسے کر سکتی ہوں۔''

''وہ کوئی مسئلہ نہیں۔ آپ ان کے لیے رشتے ڈھونڈیں اور شادی طے کر دیں۔ جہاں تک اخراجات کا تعلق ہے تو وہ میں ادا کروں گا۔ اس بارے میں آپ فکر مند نہ ہوں۔''

''لیکن دیکھو ابھی ہمارے پاس رومیصہ کی شادی کرنے کے لیے کچھ بھی نہیں ہے۔ ہم اسے خالی ہاتھ تو نہیں بھیج سکتے۔ آخر وہ بھی ہماری بیٹی ہے۔'' خالہ نے ایک بار پھر کہا تھا۔

''وہ بھی کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ مجھے جہیز کی ضرورت نہیں ہے میرے پاس سب کچھ ہے اور شادی بھی بہت سادگی سے ہوگی۔ آپ کو صرف نکاح کرنا ہوگا۔ اس کے علاوہ جو تھوڑے بہت اخراجات ہوں گے یا رومیصہ اگر کوئی زیور اور کپڑے بنوانا چاہتی ہے تو میں اس کے لیے آپ کو چیک کاٹ کر دے دیتا ہوں۔''

خالہ کا دل خوشی سے بلیوں اچھل رہا تھا مگر وہ چہرے سے سنجیدہ نظر آ رہی تھیں۔

''رومیصہ کا حق مہر کیا ہوگا؟'' انھوں نے پوچھا تھا۔

''جو آپ چاہیں۔'' نبیل جیسے گھر سے پوری تیاری کر کے آیا تھا۔

خالہ نے معاملات طے کرنے شروع کر دیے۔

''ایک تو اس کے نام کوئی گھر ہونا چاہیے۔''

''ٹھیک ہے۔'' وہ ایک لفظ کہے بغیر ان کا پہلا مطالبہ مان گیا۔

''کم از کم پانچ لاکھ روپیہ ہونا چاہیے اس کے نام بینک میں۔''

''ٹھیک ہے۔''

''اور ماہانہ خرچ کم از کم دو ہزار ہونا چاہیے۔''

''اور کم از کم پچاس تولے زیور بری میں آنا چاہیے۔''

''میں سو تولے دے دوں گا۔'' اس نے صرف آخری مطالبے میں کچھ تبدیلی کی تھی۔

''کچھ اور؟'' نبیل نے پوچھا تھا۔

''نہیں۔ بس اتنا ہی کافی ہے۔'' اس بار خالہ کو شرم آ گئی تھی۔

''اب ایک بات آپ میری مان لیں۔ میں دو ہفتے میں شادی کرنا چاہتا ہوں۔ آپ تاریخ طے کر دیں۔'' اس نے اپنا واحد مطالبہ سامنے رکھا تھا۔

''ٹھیک ہے۔ہم دو ہفتے میں شادی کر دیں گے۔''

خالہ نے فوراً کہہ دیا۔نبیل نے اپنی جیب سے چیک بک نکال کر ایک لاکھ کا چیک لکھ کر خالہ کو دیا تھا۔

''یہ اخراجات کے لیے ہے۔میرے ایک دوست کی بیوی ہر روز میرے ڈرائیور کے ساتھ آیا کرے گی۔وہ رومیصہ اور آپ کو ساتھ لے جایا کرے گی رومیصہ کو کپڑے اور زیورات پسند کروانے کے لیے۔میں شادی پر کوئی ہنگامہ نہیں چاہتا، چند لوگ آپ کی طرف سے ہونے چاہئیں اور چند ہی لوگ ہماری طرف سے ہوں گے۔ہوٹل کے ہال کی بکنگ کروا دوں گا اور کل آپ کو اس کے بارے میں انفارم کر دوں گا۔کسی اور بارے میں مجھ سے کوئی بات کرنا چاہیں تو ان میں سے کسی بھی نمبر پر رنگ کر کے مجھ سے کونٹیکٹ کر سکتے ہیں۔اب مجھے اجازت دیں۔''

وہ یہ کہتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا تھا۔خالہ اور خالو دروازے تک اسے چھوڑنے آئے۔وہ اندر کمرے میں دسترخوان پر بے جان سی بیٹھی تھی وہ نہیں جانتی تھی کہ نبیل نے ان سے کیا کہا تھا مگر وہ بے حد خوفزدہ تھی لیکن خالہ نے اندر آتے ہی اسے گلے لگا لیا تھا۔

''بیٹا! نبیل تو بہت ہی اچھا لڑکا ہے۔ایسے رشتے تو قسمت والوں کو ملتے ہیں۔میں تو اسے انکار نہیں کر سکی۔''

خالہ اس کا منہ چومتے ہوئے کہہ رہی تھیں اور وہ کچھ نہ سمجھتے ہوئے ان کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔

❁

اگلے دو ہفتے بے حد مصروف گزرے تھے۔نبیل کے ایک دوست کی بیوی ہر روز آیا کرتی تھی اور اسے اور خالہ کو ساتھ لے کر شادی کی شاپنگ کیا کرتی تھی۔خالہ کو اس کی قسمت پر رشک اور حسد دونوں ہوتے تھے۔چند دن پہلے تک وہ کیا تھی اور اب وہ کیا بننے جا رہی تھی۔شادی کے تمام انتظامات نبیل نے کیے تھے۔بیوٹی پارلر سے لے کر ہال تک سب کچھ پہلے سے بک تھا۔شادی والے دن صرف نبیل کے گھر والے اور اس کے کچھ دوست اپنی بیویوں کے ساتھ آئے تھے۔رومیصہ کی طرف سے بھی زیادہ لوگ نہیں تھے۔نکاح کے فوراً بعد رخصتی ہو گئی تھی۔وہ نبیل سکندر کے گھر آ گئی تھی۔جو کسی طرح سے بھی شادی والا گھر نہیں لگ رہا تھا۔نبیل کا کمرہ سیکنڈ فلور پر تھا۔آنے کے فوراً بعد اسے نبیل کے کمرے میں پہنچا دیا گیا تھا۔نبیل کے ماں باپ اور بڑے بھائیوں اور بھابھیوں نے اسے منہ دکھائی میں بجھے دل سے کچھ تحفے دیے تھے۔ان کے رویے سے وہ یہ جان گئی تھی کہ اس شادی سے کوئی بھی خوش نہیں ہے مگر اسے اس سب کی توقع تھی۔اس لیے زیادہ دکھ نہیں ہوا۔پھر اس کے چھوٹے دیوروں نے بھی اسے کچھ تحائف دیے تھے باقی لوگوں کی نسبت ان کا رویہ قدرے بہتر تھا۔خاص طور پر ذیشان کا۔کچھ دیر تو اسے دیکھ کر وہ بھی اس کے چہرے سے نظر نہیں ہٹا سکا تھا۔

''تو نبیل سکندر صاحب! یہی وہ خوبصورتی تھی جس نے آپ کو عقل سے پیدل کر دیا تھا۔'' بے اختیار اس نے سوچا تھا۔وہ بلاشبہ بے تحاشا خوبصورت تھی اور اس وقت تو ویسے بھی خوبصورتی کے تمام ہتھیاروں سے لیس تھی۔

''رومیصہ! یہ وہ بندہ ہے جس نے تم سے شادی کے فیصلے پر میرا سب سے زیادہ مذاق اڑایا تھا۔اس کا خیال ہے کہ میں کبھی بھی ایک اچھا شوہر نہیں ہو سکتا۔''

نبیل نے اس کا تعارف کرواتے ہوئے اس کے بارے میں کچھ مزید اطلاع فراہم کی تھی۔رومیصہ نے نظر اٹھا کر اسے دیکھا تھا۔وہ

نبیل سے کافی مشابہ تھا اور اس وقت کچھ جھینپا ہوا تھا۔ وہ کچھ دیر رومیصہ سے رسمی سی باتیں کرتا رہا تھا اور پھر وہ نبیل کے ساتھ کمرے سے نکل گیا تھا۔

کمرے میں اب اس کے سوا کوئی نہیں تھا۔ اس نے سر اٹھا کر کمرے میں نظر دوڑائی تھی اور کچھ لمحوں تک وہ مبہوت ہو کر رہ گئی تھی۔

ہر چیز کتنی خوبصورت ہو گئی تھی۔ اس کی زندگی کی ساری بدصورتیاں پتا نہیں کہاں چھپ گئی تھیں۔ سب کچھ کتنا مکمل، کتنا خوبصورت نظر آ رہا تھا۔ اور پھر وہ آ گیا تھا اور پتا نہیں اس رات نبیل سکندر نے اس سے کیا کیا کہا تھا۔ اسے پہلی بار دیکھنے سے لے کر آج تک کی ساری کیفیات اس نے اسے بتا دی تھیں۔ اور وہ بس خاموشی سے اس کے خوبصورت چہرے پر نظر آنے والی چمک اور جھلملاتے رنگوں کو دیکھ رہی تھی۔ کیا میں کسی کے لیے اس قدر اہم ہو سکتی ہوں اور وہ بھی نبیل سکندر جیسے بندے کے لیے اسے یقین نہیں آ رہا تھا مگر یہ سب حقیقت تھی۔

❁

شادی کے تیسرے دن وہ دونوں ہنی مون کے لیے امریکہ آ گئے تھے۔ اور فلائٹ کے دوران یہ سوچ کر اسے ہنسی آ گئی تھی کہ کچھ دن پہلے تک وہ بے حد بے تابی سے اس کے باہر جانے کا انتظار کر رہی تھی، مگر یہ نہیں جانتی تھی کہ اس بار جب وہ باہر جائے گا تو وہ بھی اس کے ساتھ ہو گی۔ ایک ماہ تک وہ دونوں باہر رہے تھے اور صرف رومیصہ کے لیے ہی نہیں نبیل سکندر کے لیے بھی یہ اس کی زندگی کے سب سے خوبصورت دن تھے۔ اس کا دل چاہتا تھا وہ دنیا کی ہر چیز اسے خرید کر دے دے۔ اس کا جی چاہتا تھا زندگی بس ایسے ہی گزرے۔ ہر مصروفیت ہر کام ختم ہو جائے اگر کچھ باقی رہے تو صرف رومیصہ۔

ایک ماہ بعد وہ واپس آئے تھے اور اس ایک ماہ میں بہت کچھ بدل چکا تھا۔ وہ نبیل کے بارے میں بہت کچھ جان چکی تھی۔ اس کی پسند، ناپسند تقریباً ہر چیز ہی اس کے علم میں آ چکی تھی۔ وہ اس کے معاملے میں کتنا پوزیسو تھا۔ وہ یہ بھی جان چکی تھی اور جتنا وہ اس کے بارے میں جان رہی تھی اتنا ہی وہ اس کی محبت میں گرفتار ہو رہی تھی۔

امریکہ سے واپس آنے کے دوسرے دن شام کے وقت اس نے اپنے بیگ کھولے تھے اور جو تحفے نبیل کے گھر والوں کے لیے لائی تھی وہ نکالے تھے۔ نبیل اس وقت گھر پر نہیں تھا۔ وہ اس کی امی کے لیے خریدی گئی گھڑی اور پرفیوم لے کر نیچے آ گئی تھی۔ بہت جھجکتے ہوئے وہ دروازہ کھٹکھٹا کر ان کے کمرے میں داخل ہوئی۔ نبیل کی ممی اس وقت ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے بیٹھی کہیں جانے کے لیے تیار ہو رہی تھیں۔ اسے دیکھ کر بلش آن لگاتے ہوئے ان کے ہاتھ رک گئے تھے۔ بہت بے تاثر چہرے کے ساتھ انھوں نے اس کے آنے کا مقصد پوچھا تھا۔

''ممی! ہم لوگوں نے آپ کے لیے کچھ گفٹس لیے ہیں۔ میں وہی دینے آئی ہوں۔'' ممی کے تاثرات اس کی بات پر کچھ اور بگڑ گئے تھے۔

''کیا گفٹ لائی ہو؟''

''یہ کچھ پرفیومز اور ایک گھڑی آپ کے لیے۔'' وہ چلتے ہوئے ان کے پاس آ گئی تھی۔ نبیل کی ممی نے ہاتھ میں پکڑے ہوئے برش سے ڈریسنگ ٹیبل پر پڑے ہوئے پرفیومز کے ڈھیر کی طرف اشارہ کیا تھا۔

''کیا ان سے زیادہ اچھے اور مہنگے پرفیوم لائی ہو؟'' ان کے لہجے میں بے حد حقارت تھی۔

ہو جاتا تھا۔ پھر ملازمہ بیڈ رومز کو صاف کیا کرتی تھی اور وہ اسے ہدایات دینے میں مصروف رہتی تھی۔ گھر کے افراد کے کپڑے تقریباً روز دھلتے اور پریس ہوتے تھے اور سہ پہر کا وقت اس کام میں گزر جاتا تھا۔

پھر رات کے کھانے کی تیاری شروع ہو جاتی تھی اور رات کا کھانا بہت سے لوازمات پر مشتمل ہوتا تھا۔ اس لیے نہ صرف اس کی تیاری میں زیادہ وقت لگتا تھا بلکہ بعد میں کچن صاف کروانے اور برتن دھلوانے میں بھی بہت وقت لگ جاتا تھا۔ ممی کا حکم تھا کہ رات کو جب تک ملازم کچن صاف کر کے نہ چلے جائیں وہ نیچے ہی رہے اور کاموں سے فارغ ہوتے ہوتے اسے گیارہ بارہ بج جاتے تھے۔

نبیل کو اس کی ان طویل مصروفیات کا علم نہیں تھا۔ ہنی مون سے واپس آنے کے بعد وہ دس پندرہ دن آفس کے کاموں میں بہت مصروف رہا اور اکثر خود بھی رات کو دیر سے آتا رہا لیکن پھر بہت جلد اس نے رومیصہ کی مصروفیات کا اندازہ لگا لیا تھا۔

''تم اتنی دیر تک نیچے کیا کرتی رہتی ہو؟'' اس دن وہ رات کو کمرے میں داخل ہوئی تھی تو اس نے اسے دیکھتے ہی پوچھا تھا۔

''تھوڑا کام تھا۔''

''روز کام ہوتا ہے تمہیں؟'' وہ کافی سنجیدہ تھا۔

''کیا کام کرتی ہو؟''

''وہ کچن میں تھوڑا کام ہوتا ہے۔''

''کیوں ملازم نہیں ہیں وہاں؟''

''نہیں۔ میں خود تھوڑا کرتی ہوں۔ وہی کرتے ہیں میں تو بس ذرا اپنے سامنے کام کرواتی ہوں تاکہ سب کچھ ٹھیک سے ہو جائے۔'' وہ بیڈ پر بیٹھ گئی تھی۔

''یہ تمہاری ذمہ داری نہیں ہے کہ ان کی نگرانی کرتی پھرو۔ تم کوئی ہاؤس کیپر نہیں ہو۔ میں آئندہ تمہیں یہ سب کرتے نہ دیکھوں۔'' اس نے تنبیہی انداز میں اسے کہا تھا۔

''لیکن ممی نے مجھ سے کہا ہے میں یہ کرواؤں۔''

وہ اس کی بات پر سیدھا ہو کر بیٹھ گیا تھا۔ ''کیا ممی نے یہ سب کرنے کو کہا تھا؟'' وہ بے حد حیران تھا۔

''ہاں۔'' نبیل نے اس کے جواب پر بے اختیار ہونٹ بھینچے تھے۔

''تم کل سے کوئی کام نہیں کرو گی۔ ممی سے میں خود بات کر لوں گا۔''

''نبیل! یہ کوئی برا کام تو نہیں ہے، اپنے گھر کا کام......''

وہ اسے سمجھانا چاہتی تھی لیکن وہ یک دم بھڑک اٹھا تھا۔

''میں نے تمہیں لیکچر دینے کے لیے نہیں کہا۔ برا کام ہے یا اچھا کام ہے۔ تمہیں یہ کام نہیں کرنا۔ اور میں یہ بات دہراؤں گا نہیں۔''

رومیصہ میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ کچھ کہہ پاتی وہ تو اس کے بدلتے ہوئے تیوروں پر حیران ہو گئی تھی۔ نبیل نے اس طرح تو کبھی بات نہیں کی تھی۔ جھڑکنا تو دور کی بات وہ کبھی اس سے ناراض بھی نہیں ہوا تھا اور اب وہ اتنے خراب موڈ میں تھا کہ اسے اس سے خوف آنے لگا تھا۔ وہ لائٹ بجھا کر لیٹ گیا تھا اور وہ کتنی ہی دیر تاریکی میں اسے ڈھونڈنے کی کوشش کرتی رہی مگر وہ تو جیسے یک دم اس کی نظروں سے اوجھل ہو گیا تھا۔

اسے اندازہ نہیں تھا کہ ایک چھوٹی سی بات اتنی بڑھ جائے گی۔ اگلے دن نبیل نے پتا نہیں کس انداز میں ممی سے بات کی تھی مگر اس کا ردعمل یہ ہوا کہ ممی نے رات کے کھانے کا بائیکاٹ کر دیا تھا۔ نبیل پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوا تھا مگر وہ بے حد شرمندہ تھی۔

اس کے ساتھ نبیل کا رویہ پہلے سے بھی زیادہ خوشگوار تھا۔ وہ رات کے کھانے کے بعد اسے سیر کرانے باہر لے گیا تھا۔ کافی دنوں بعد وہ اسے گھمانے کے لیے لے کر گیا تھا شاید یہ پچھلی رات کو ہونے والی تلخی کی تلافی تھی یا پھر شاید وہ ممی کے رویے کی تلافی کر رہا تھا۔ وجہ جو بھی تھی وہ اس کے ساتھ باہر وقت گزار کر کچھ پرسکون ضرور ہو گئی تھی۔

٭

پھر ان ہی دنوں اسے پتا چلا تھا کہ وہ ماں بننے والی تھی۔ زندگی میں یک دم جیسے ایک نیا موڑ آ گیا تھا۔ وہ تو یقیناً خوش تھی ہی لیکن نبیل تو جیسے ساتویں آسمان پر تھا۔ پتا نہیں وہ اپنے بچے کے لیے کیا کیا پلاننگ کرتا رہتا تھا اس کی خواہش تھی کہ اس کے ہاں بیٹی ہو۔

''یار! ہمارے گھر میں اتنے مرد ہیں کہ گھر کی ساری خوبصورتی ختم ہو کر رہ گئی ہے۔ بس اشعر بھائی کی ایک بیٹی ہے اور تم نے دیکھا ہے سب لوگ ان کے بیٹوں کو چھوڑ کر مونا کے پیچھے بھاگتے رہتے ہیں۔ میرا دل بھی یہی چاہتا ہے کہ میرے ہاں بھی ایک بیٹی ضرور ہو۔ بہت کیوٹ سی Tender and delicate بالکل تمہاری طرح۔'' وہ اسے اکثر کہتا رہتا تھا۔

''اور اگر وہ پیاری نہ ہوئی تو۔'' وہ کبھی کبھار کہتی اور وہ ٹھنڈی سانس بھرتا۔

''پھر کیا ہو سکتا ہے۔ مجبوری ہے اپنی اولاد ہو گی، اسے پھینک تو نہیں سکتے، چلو خیر کم از کم بیٹی تو ہو گی نا۔''

''بیٹیاں بہت مسائل پیدا کر دیتی ہیں۔ کبھی تم نے یہ سوچا ہے؟'' وہ بڑی سنجیدگی سے کہتی۔

''رومیصہ پرابلمز ان کے لیے ہوتے ہوں گے جن کے پاس روپیہ نہیں ہوتا۔ میرے پاس بہت روپیہ ہے ایک کے بجائے سات بیٹیاں بھی ہوں تو مجھے کوئی فکر نہیں ہو گی۔ اس لیے تم یہ سو سال پرانے خیالات اپنے دماغ سے نکال دو۔''

وہ بڑی لاپروائی سے کہتا جاتا اور وہ اسے دیکھتی رہ جاتی۔

٭

اس دن خالہ اس سے ملنے آئی تھیں۔ نوکر نے انہیں ڈرائنگ روم میں بٹھا دیا تھا۔ اور پھر اسے اطلاع کی تھی۔ اسے نیچے آنے میں چند منٹ لگ گئے تھے اور جب وہ نیچے آئی تھی تو ممی پہلے ہی ڈرائنگ روم میں موجود تھیں۔ ان کے چہرے کے تاثرات بتا رہے تھے کہ خالہ سے ان کی تلخ کلامی ہو چکی تھی۔ خالہ سرخ چہرہ لیے کھڑی تھیں۔ وہ سب کچھ سمجھ گئی تھی۔

''ایک بات تم کان کھول کر سن لو، یہ گھر میں نے تھرڈ کلاس لوگوں کی آمدورفت کے لیے نہیں بنایا ہے۔ یہاں تم کو رکھ لیا ہے اتنا کافی ہے کسی اور گندگی کی جگہ نہیں ہے، تمھیں اپنے رشتہ داروں سے ملنا ہو تو ان کے گھر جا کر ملا کرو، انھیں یہاں مت بلوایا کرو۔ جو دینا دلانا ہو وہ وہیں جا کر دے آیا کرو۔''

ممی کے منہ میں جو آیا انھوں نے کہا اور وہاں سے چلی گئیں۔ اس کی خالہ بھی بگڑے تیوروں کے ساتھ کچھ کہے بغیر وہاں سے چلی گئی تھیں، اس میں اتنی ہمت باقی نہیں رہی تھی کہ وہ انھیں روک پاتی۔ وہ تو شاید یہ سب نبیل سے کبھی نہ کہتی لیکن خالہ چپ نہیں رہی تھیں۔ انھوں نے واپس جاتے ہی اسے فون پر پورا واقعہ سنا دیا تھا۔ اور وہ لنچ سے پہلے ہی اکھڑے تیوروں کے ساتھ گھر آ گیا تھا، پھر وہ سیدھا ممی کے پاس گیا تھا اور ایک ہنگامہ تھا جو وہاں برپا ہو گیا تھا۔ ممی کے جو منہ میں آیا تھا انھوں نے سنایا تھا اور وہ بھی خاموش نہیں رہا تھا۔ اس کا دل ممی کی طرف سے پہلے ہی کھٹا تھا اس واقعہ نے اس کی کدورت کو اور بڑھایا تھا۔

خوش تو ممی اس سے پہلے بھی نہیں تھیں مگر اس ایک واقعہ کے بعد جو تھوڑی بہت مروت یا لحاظ وہ دکھا دیا کرتی تھی وہ بالکل ختم ہو گیا تھا۔ وہ موقع بے موقع اس کی تذلیل کیا کرتی تھیں۔ انھیں اس کی ہر چیز پر اعتراض تھا۔ اس کے لباس سے لے کر کھانے پینے کے انداز تک وہ ہر چیز کا مذاق اڑایا کرتی تھیں اور وہ یہ سب کھلے عام کرتی تھیں۔ انھیں قطعاً پروا نہیں ہوتی تھی کہ وہ کیا محسوس کرے گی یا نبیل کیا سوچے گا۔ جہاں تک نبیل کا تعلق تھا وہ اس جھگڑے کے کچھ عرصے بعد تک تو خاموشی سے ان سب باتوں کو نظر انداز کرتا رہا۔ مگر اس کے صبر کا پیمانہ آہستہ آہستہ لبریز ہو گیا تھا۔ اس دن اس نے اپنے باپ سے بات کر لینے کا فیصلہ کر لیا تھا اور جب اس نے سکندر علی سے بات کی تو وہ بالکل شاکڈ رہ گئے تھے۔

''نبیل! تم کیا کہہ رہے ہو؟''

''میں نے جو بھی کہا ہے، بالکل ٹھیک کہا ہے۔ آپ جائیداد میں سے میرا حصہ دے دیں۔ میں الگ ہونا چاہتا ہوں۔'' وہ بے حد سنجیدہ تھا۔

''آخر بات کیا ہے؟ ہوا کیا ہے؟''

''کیا آپ نہیں جانتے کہ ہوا کیا ہے اور اس گھر میں کیا ہو رہا ہے۔ مجھے کچھ بتانے کی تو ضرورت ہی نہیں ہے۔''

''تم اپنی ممی کے ساتھ ہونے والے جھگڑے کی بات کر رہے ہو۔ اس کی وجہ سے ناراض ہو؟''

سکندر علی کو نبیل اور اپنی بیوی کے درمیان ہونے والی چپقلش یاد آ گئی تھی۔

وہ ان کی بات پر جیسے پھٹ پڑا تھا۔ ''آپ کہہ رہے ہیں ناراض ہوں۔ میں ناراض نہیں ہوں۔ میں یہ تماشا مزید برداشت نہیں کر سکتا۔''

''دیکھو نبیل! رومیصہ اور فاخرہ کے درمیان جو تلخی ہے وہ ہر ساس اور بہو کے درمیان ہوتی ہے۔ ایسی چیزیں گھروں میں ہوتی رہتی ہیں۔ ایسی معمولی بات پر کیا بندہ گھر چھوڑ دے۔''

پاپا! جو ممی اور رومیصہ کے درمیان ہے وہ تلخی نہیں وہ رومیصہ کو ٹارچر کرتی رہتی ہیں اور نہ صرف وہی نہیں اس گھر کا ہر فرد، آپ بھائی ان کی بیویاں ہر ایک۔''

نبیل نے سکندر علی کو بھی نہیں بخشا تھا۔

''نبیل! تم غلط سوچ رہے ہو۔ تمہاری بیوی میری بیٹیوں جیسی ہے میں اسے ٹارچر کیوں کروں گا۔'' انہیں بیٹے کی بات بہت بری لگی تھی۔

''آپ صرف زبان سے کہتے ہیں۔ دل سے سمجھتے نہیں۔ اگر آپ نے واقعی اسے بیٹی سمجھا ہوتا تو کیا آپ ممی کو ان کی حرکتوں سے منع نہیں کرتے۔ کیا آپ کو نظر نہیں آتا کہ وہ رومیصہ کے ساتھ کیا سلوک کر رہی ہیں۔ وہ اس کی ہر بات پر تنقید کرتی ہیں، انہیں اس کے گلاس پکڑنے کے طریقے تک پر اعتراض ہے۔ اتنی تنقید تو ویسے ہی اسے ذہنی مریض بنا دے گی۔ میں یہاں اسے اپنی بیوی بنا کر لایا تھا۔ آپ لوگوں نے اسے تماشا بنا دیا ہے اور آپ کا دعویٰ ہے کہ آپ اسے بیٹی سمجھتے ہیں۔ کبھی آپ نے ممی کو سب کے سامنے اس کا مذاق اڑانے سے روکا۔ کبھی نہیں۔ میری شادی کو تین سال نہیں ہوئے صرف تین ماہ ہوئے ہیں اور آپ لوگ۔''

ذیشان کمرے کا دروازہ کھول کر اندر آ گیا تھا۔ صورت حال گھمبیر تھی یہ تو وہ نبیل کے سرخ ہوتے ہوئے چہرے سے ہی جان گیا تھا۔ نبیل اور سکندر علی دونوں نے اس کی طرف دیکھا تھا۔

''شادی کی اجازت آپ نے دی تھی مجھے اور آپ کو میں نے اس کے بارے میں سب کچھ بتا دیا تھا پھر اب ہر ایک کو بار بار یاد کیوں آنے لگا ہے کہ وہ سیکرٹری جیسی گھٹیا جاب کرتی تھی۔ اس کے کردار پر شک ہونے لگا ہے وہ میری بیوی ہے اگر مجھے اس کی کسی چیز پر اعتراض نہیں ہے تو آپ لوگوں کو کیوں ہے؟''

''کیا بات ہے نبیل! کیا ہوا ہے؟'' ذیشان کچھ بھی سمجھ نہیں پا رہا تھا۔

نبیل نے سرخ چہرے کے ساتھ اسے دیکھا تھا۔ ''بیٹھ جاؤ اور تم بھی سن لو۔ میں جائیداد میں سے اپنا حصہ چاہتا ہوں۔ میں اس گھر میں رہنا نہیں چاہتا۔'' اس کا لہجہ بے حد تلخ تھا۔

''نبیل؟'' وہ نبیل کی بات پر حیران رہ گیا تھا۔

''نبیل! تم بہت زیادہ جذباتی ہو رہے ہو۔ تمہیں بہت زیادہ غلط فہمیاں ہو گئی ہیں یہ ٹھیک ہے کہ فاخرہ کا رویہ رومیصہ کے ساتھ مناسب نہیں ہے لیکن تم اپنی ممی کو اچھی طرح جانتے ہو وہ انہیں دوسروں کے جذبات یا احساسات کی پروا کم ہی ہوتی ہے اور صرف رومیصہ کے ساتھ یہ سلوک نہیں ہوتا۔ وہ ستارہ اور عالیہ سے بھی خوش نہیں ہیں، بس فرق یہ ہے کہ ستارہ اور عالیہ کے ساتھ فاخرہ کا سلوک قدرے بہتر ہوتا ہے اور کیوں بہتر ہوتا ہے یہ تم جانتے ہو۔ لیکن فاخرہ آخر کب تک یہ رویہ رکھے گی۔ آہستہ آہستہ سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔''

سکندر علی نے اس کے غصے کو ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی تھی۔

''کچھ بھی ٹھیک نہیں ہو گا۔ آپ میری بات یاد رکھیے گا۔ ممی رومیصہ کے لیے اپنے دل سے نفرت اور کدورت کبھی نہیں نکال سکتیں اور وہی کیوں اس گھر کے باقی سب لوگ بھی آپ بھی پاپا آپ بھی۔ کبھی کبھی میں سوچتا ہوں کہ اگر آج میں مر جاؤں تو آپ لوگ تو مجھے دفن کرنے سے پہلے رومیصہ کو دھکے دے کر اس گھر سے نکال دیں گے۔ آپ لوگ تو ایک بار بھی نہیں سوچیں گے کہ میں نے اس سے کتنی محبت کی تھی۔ آپ کو تو ایک لمحے کے لیے بھی ترس نہیں آئے گا۔''

''نبیل! تم کیسی فضول باتیں کرنے لگے ہو۔''

اس بار ذیشان نے پہلی بار اسے ٹوکا تھا۔ سکندر علی تو بس اس کا چہرہ دیکھے جا رہے تھے۔ انھیں یقین نہیں آ رہا تھا کہ وہ جس کو سب سے زیادہ چاہتے تھے وہ کبھی ان سے اس حد تک بدگمان ہو سکتا ہے۔

''میں ٹھیک کہہ رہا ہوں ذیشان! میں بالکل ٹھیک کہہ رہا ہوں اور تم بھی اسی گروہ میں ہو گے۔ انہی لوگوں کا ساتھ دو گے؟'' وہ آج بدگمانی کی انتہا کو پہنچا ہوا تھا۔

''پاپا! آپ مجھے بتا دیں۔ کیا آپ مجھے جائیداد میں سے حصہ دیں گے یا نہیں اور اگر آپ نہیں دینا چاہتے تو بھی آپ مجھے بتا دیں تاکہ میں اپنے لیے کچھ کر سکوں۔'' وہ اب اٹھ کر کھڑا ہو گیا تھا۔

''میں تمھیں جائیداد میں سے حصہ کیوں نہیں دوں گا۔ نبیل! کیوں اس طرح کی باتیں کر رہے ہو۔'' انھیں اس کی باتوں سے بے حد تکلیف پہنچ رہی تھی۔

''آپ نے مجبور کیا ہے مجھے اس طرح کی باتیں کہنے پر اور جہاں تک جائیداد میں حصہ نہ دینے کی بات ہے تو یہ ممی نے کہا ہے انھیں لگتا ہے کہ میں اور میری بیوی ان کے شوہر کی کمائی پر عیش کر رہے ہیں ان کے بقول میں کچھ نہیں کرتا۔ ساری محنت آپ اور ان کے دونوں بڑے بیٹے کرتے ہیں۔ اس لیے میں نے سوچا کہ شاید آپ کا بھی یہی خیال ہو اور آپ مجھے کچھ دینا نہیں چاہتے۔'' وہ کافی تلخی سے مسکرایا تھا۔

''میں نے تمھیں کہا نا۔ تمہاری ممی بے وقوف ہے۔ اسے کیا پتہ ہے کہ کون کیا کام کرتا ہے۔ میری جائیداد میں جتنا حصہ باقی سب کو ملے گا تمھیں بھی ملے گا۔ کم از کم اس معاملے میں تمھیں شبہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔''

انھوں نے جیسے اسے یقین دہانی کروانے کی کوشش کی تھی۔ وہ کچھ دیر تک بڑی عجیب نظروں سے ان کا چہرہ دیکھتا رہا تھا۔

''پاپا! کبھی کبھی مجھے ایسے لگتا ہے جیسے آپ......'' وہ اپنی بات مکمل کیے بغیر کمرے سے چلا گیا تھا۔ کچھ دیر تک کمرے میں مکمل خاموشی رہی۔

''تم نے دیکھا ذیشان! یہ کیسی باتیں کر رہا ہے؟'' چند لمحوں بعد سکندر علی نے اس خاموشی کو توڑا تھا۔

''پاپا! اگر وہ یہاں نہیں رہنا چاہتا تو آپ اسے الگ ہو جانے دیں۔ یہ کوئی بری بات نہیں ہے۔'' ذیشان نے بہت پرسکون انداز میں کہا تھا۔

''تم کیا کہہ رہے ہو؟ میں خود اپنے گھر کو توڑ دوں۔'' سکندر علی بے چین ہو گئے تھے۔

''رشتے ٹوٹ جانے سے بہتر ہے کہ گھر ٹوٹ جائے۔ ممی رومیصہ سے واقعی کوئی اچھا سلوک نہیں کر رہیں اور آپ جانتے ہیں کہ وہ اس کے بارے میں کتنا حساس ہے۔ وہ یہاں رہے گا تو اسی طرح غصہ میں آتا رہے گا۔ بہتر ہے آپ اسے گھر الگ کرنے دیں جہاں تک بزنس الگ کرنے کی بات ہے تو میں اسے سمجھا لوں گا۔ میرا خیال ہے وہ صرف غصہ میں یہ کہہ گیا ہے۔ غصہ ٹھنڈا ہو گا تو میں اس سے بات کروں گا۔ آپ پریشان نہ ہوں۔'' ذیشان انھیں تسلی دے کر چلا گیا تھا۔

پھر شیخوپورہ واپس جانے سے پہلے اس نے نبیل سے بات کی تھی نبیل کے پاس سب کے خلاف شکایتوں کا ایک ڈھیر تھا۔ ذیشان جانتا تھا کہ یہ شکایتیں بے بنیاد نہیں ہیں مگر نبیل پر وہ اثر انداز ہوسکتا تھا۔ اس لیے اس نے اسے سمجھا بجھا کر اس کا غصہ ٹھنڈا کر دیا اور اسے اس بات پر تیار کر لیا کہ وہ بزنس سے الگ نہ ہو ہاں البتہ چاہے تو علیحدہ گھر لے لے۔ خود ذیشان کو بھی اس کے مسائل کا حل الگ گھر ہی نظر آتا تھا۔

اس جھگڑے کے بعد نبیل کی سکندر علی سے دوبارہ بات ہی نہیں ہو پائی۔ کچھ اس کے دل میں خفگی تھی کچھ سکندر علی بھی یہی چاہتے تھے کہ وہ خود ان سے بات کرے مگر نبیل کو کچھ آرڈرز کے سلسلے میں امریکہ جانا تھا اور وہ اس سلسلے میں اتنا مصروف رہا کہ سکندر علی سے دوبارہ علیحدگی میں اس کی ملاقات ہی نہیں ہوئی۔

''رومیصہ! مجھے امریکہ میں تقریباً ایک ماہ لگ جائے گا۔ ویسے میں کوشش کروں گا کہ جلد از جلد اپنا کام مکمل کر کے واپس آ جاؤں۔ لیکن پھر بھی میں تین ہفتے سے پہلے واپس نہیں آ سکتا۔ تم اگر ٹھیک ہوتیں تو میں تمہیں بھی ساتھ لے جاتا۔ لیکن خیر میں وہاں سے روز فون کیا کروں گا؟''

جانے سے ایک دن پہلے وہ سامان کی پیکنگ کرتے ہوئے اسے کہہ رہا تھا۔

''نبیل! کیا جانا بہت ضروری ہے؟'' اس نے پوچھا تھا۔

''ہاں بے حد ضروری ہے۔ رومیصہ! اب مجھے پہلے سے زیادہ کام کرنا ہے۔ آج یا کل مجھے اپنا بزنس شروع کرنا ہے اور اگر میرے کونٹیکٹ نہیں ہوں گے تو مجھے بہت مشکل پیش آئے گی اور ویسے بھی ابھی ہم جس گھر میں شفٹ ہوں گے وہ تو پاپا کا ہی ہے مگر ظاہر ہے پھر اپنا گھر بنوانا پڑے گا اور اس سب کے لیے بہت زیادہ روپے کی ضرورت پڑے گی اس لیے تمہیں اب تیار ہو جانا چاہیے۔ میرے اس قسم کے لمبے ٹورز کے لیے۔''

وہ بہت سنجیدگی سے اسے سمجھا رہا تھا۔

''جو فلیٹ تم نے مجھے گفٹ کیا تھا کیا ہم اس میں شفٹ نہیں ہو سکتے وہ تو ہماری ضرورت سے زیادہ ہے۔''

''رومیصہ! میں فلیٹس میں رہنے کا عادی نہیں ہوں۔ میرا دم گھٹتا ہے وہاں مجھے بڑے بڑے گھروں میں رہنے کی عادت ہے اور ویسے بھی ہم جہاں شفٹ ہو رہے ہیں وہ گھر بے کار پڑا ہوا ہے پھر اسی بلاک میں ہے۔ میں یہاں بھی آسانی سے آ جا سکوں گا۔ تقریباً ہر چیز ہے وہاں پر پھر بھی تم وہاں کا چکر لگا لینا۔ کسی چیز کی کمی ہو تو ذیشان کو بتا دینا فون کر کے، یا پھر میرے آفس میں عظیم صاحب کو فون کر دینا۔ میں چاہتا ہوں کہ واپس آنے کے فوراً بعد وہاں شفٹ ہو جاؤں۔ تم ڈاکٹر کے پاس باقاعدگی سے جاتی رہنا اور اپنا خیال رکھنا۔ اگر باہر سے کچھ منگوانا ہے تو مجھے بتا دو بلکہ لسٹ بنا دو۔''

اس کے پاس ہدایات کا ایک انبار تھا۔

''اتنی لمبی چوڑی فرمائشیں تو نہیں ہیں میری کہ لسٹ بنانی پڑے لیکن بہر حال میں تمہیں لکھ کر دوں گی تاکہ تمہیں یاد رہے۔''

میں چاہتا ہوں تم لمبی چوڑی فرمائشیں کرو۔ مجھے بہت اچھا لگے گا اگر تم ایسا کرو گی۔''

وہ بریف کیس کھولتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ رومیصہ نے کوئی جواب نہیں دیا، وہ بس خاموشی سے نبیل کے چہرے کو دیکھنے لگی جو بریف کیس سے کچھ کاغذات نکال کر دیکھ رہا تھا۔ اس کا چہرہ دیکھتے ہوئے بہت عجیب سے احساسات تھے اس کے۔ ہمیشہ اسے دیکھ کر بہت خوش ہوتی تھی۔ وہ اتنا

خوبصورت تھا کہ بعض دفعہ اس کا دل چاہتا وہ اس کے چہرے پر اپنا ہاتھ پھیر کر اس کے نقوش کو محسوس کرے اور کبھی کبھار وہ بے خیالی میں اسے دیکھتی رہتی۔ اس وقت بھی یہی ہوا تھا۔ وہ بے خیالی میں اسے دیکھے گئی تھی۔ کچھ دیر تک نبیل کو احساس نہیں ہوا مگر پھر شاید وہ جان گیا تھا کہ وہ اس پر نظریں جمائے بیٹھی ہے۔ اس نے بریف کیس میں پیپرز رکھتے ہوئے یک دم اسے دیکھا تھا اور مسکرایا تھا۔ اور رومیصہ نے بہت تیز رفتاری سے اپنی توجہ ٹیرس پر مبذول کر لی تھی۔

اگلے دن شام کی فلائٹ سے وہ چلا گیا تھا۔ اور رومیصہ کو پہلی دفعہ محسوس ہوا کہ اس کی موجودگی اس کے لیے کتنی اہم تھی۔ شادی کے بعد پہلی دفعہ وہ اس طرح اسے چھوڑ کر گیا تھا اور ساری دنیا اسے جیسے ویران لگنے لگی تھی۔ اس رات وہ جاگتی رہی تھی۔ اسے نیند ہی نہیں آئی۔

''اور ابھی صرف پہلا دن ہے۔'' اس نے سوچا تھا شاید وہ اس کی کمی اس لیے محسوس کر رہی تھی کیونکہ اس گھر میں وہ واحد آدمی تھا جس سے وہ بات کر سکتی تھی۔ اس کے علاوہ کوئی بھی ایسا نہیں تھا جس کے پاس وہ چند منٹوں کے لیے جا کر بیٹھ سکتی۔ اگلے دن دوپہر کے قریب اس کا فون آیا تھا۔ وہ بھی اسے بہت مس کر رہا تھا۔ مگر اس وقت رومیصہ کو اس کی آواز ہی بہت بڑی نعمت لگ رہی تھی۔

''میں تمھیں صبح کے وقت ہی فون کیا کروں گا۔ کیونکہ اس وقت یہاں رات ہوتی ہے اور میں چاہتا ہوں کہ جب پاکستان میں رات ہوا کرے تو تم بس سو جایا کرو۔ کسی قسم کے انتظار کی تکلیف نہ اٹھانی پڑے تمھیں۔ اس لیے میں کبھی تمھیں رات کو فون نہیں کروں گا۔''

اس نے رومیصہ سے کہا تھا اور پھر یہی ہوا تھا وہ صبح دس گیارہ بجے کے قریب فون کیا کرتا تھا اور کافی دیر تک باتیں کرتا تھا۔

دن آہستہ آہستہ گزر رہے تھے اور وہ بے چینی سے اس کی واپسی کی منتظر تھی۔

☆

اس رات اس کی آنکھ بہت عجیب سا شور سن کر کھلی تھی۔ کچھ دیر تک وہ بیڈ پر لیٹی آنکھیں کھولے اس شور کو سمجھنے کی کوشش کرتی رہی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے نیچے کوئی زور زور سے دروازہ بجا رہا تھا پھر کسی کی چیخوں کی آوازیں آنے لگیں۔ پہلے شور کم تھا پھر زیادہ ہو گیا پھر کوئی بھاگتے ہوئے اس کے کمرے کے دروازے کے سامنے سے گزرا تھا اور تھوڑی دیر بعد دروازہ بجانے کی آواز آنے لگی تھی، مگر اس بار یہ آواز دوسری منزل پر تھی۔ وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کر بیٹھ گئی۔ ٹیبل لیمپ جلا کر اس نے وقت دیکھا تھا رات کے دو بج رہے تھے۔ وہ تیزی سے بیڈ سے اٹھ کر کمرے سے باہر نکل گئی۔ تھوڑی دیر پہلے تک جن چیخوں کی آوازیں بے حد مدھم ہو کر اس کے کانوں تک پہنچ رہی تھیں۔ اب وہ بالکل صاف ہو گئی تھیں۔ پتا نہیں کیا بات تھی مگر ممی نیچے ہال میں بہت بلند آواز سے چیخیں مار رہی تھیں۔ اس نے ریلنگ کو پکڑ کر نیچے جھانکا نیچے ہال میں سب ہی تھے۔ مگر کوئی بھی ممی کو چپ کروانے کی کوشش نہیں کر رہا تھا۔

اس کا چھوٹا دیور ولید خود بھی ممی کے ساتھ لپٹا ہوا دھاڑیں مار مار کر رو رہا تھا۔ وہ کچھ بھی سمجھ نہیں پائی۔ بہت تیزی سے وہ سیڑھیوں کی طرف آئی تھی۔ سیڑھیاں اتر کر نیچے آنے کے بعد وہ ٹھٹھک کر رک گئی تھی۔

''کیا ہوا ہے؟'' بے اختیار اس کے منہ سے نکلا تھا۔ سب نے اسے دیکھا تھا اور اس نے فراز کو اپنی طرف آتے دیکھا۔ اس کی آنکھیں

سرخ تھیں اور چہرہ ستا ہوا تھا۔

''بھائی! نبیل بھائی کی ڈیتھ ہوگئی۔'' وہ جملہ مکمل کرتے کرتے رونے لگا تھا وہ بے یقینی کے عالم میں اسے دیکھتی رہ گئی۔

''نبیل کی......'' اپنی آواز اسے کھائی سے آتی ہوئی لگی تھی۔ وہ صرف دو لفظ ہی کہہ سکی جو باقی رہ گیا تھا۔ اسے کہنے کی ضرورت ہی نہیں تھی وہ حقیقت تھا۔

بالکل کسی مجسمے کی طرح وہ کھڑی ہال میں سب کو روتے چلاتے دیکھ رہی تھی۔ سن رہی تھی مگر اسے یقین نہیں آ رہا تھا۔ ایسا ہو کیسے سکتا ہے۔ ابھی صبح ہی تو وہ مجھ سے کہہ رہا تھا کہ اس کی مصروفیات بہت زیادہ ہوگئی ہیں۔ وہ جلدی واپس نہیں آئے گا اسے دیر ہو جائے گی، شاید ان سب کو کوئی غلط فہمی ہوگئی ہے یا پھر شاید میں کوئی ڈراؤنا خواب دیکھ رہی ہوں۔ آج کل مجھے خواب بھی تو برے ہی آ رہے ہیں۔ ہاں یہ کوئی خواب ہی ہے، جب میری آنکھ کھلے گی تو صبح ہو چکی ہوگی۔ سب کچھ پہلے جیسا ہوگا۔ یہ ساری آوازیں، سارا شور ساری چیخیں ختم ہو جائیں گی کچھ بھی نہیں ہوگا۔

لوگوں کو ان کے دل جو فریب دیتے ہیں۔ وہ اسے اس کا دماغ دے رہا تھا۔ اشعر فون پر لوگوں کو اس کے مرنے کی اطلاع دے رہا تھا۔ اس نے سنا تھا کئی بار اس کی زبان سے سنا تھا۔

''نبیل مر گیا ہے۔''

''ایکسیڈنٹ میں نبیل کی ڈیتھ ہوگئی ہے۔''

بہت آہستہ آہستہ یہ منظر دھندلانا شروع ہوگیا تھا۔ جسے دماغ قبول نہیں کر رہا تھا اسے دل نے قبول کرنا شروع کر دیا تھا۔ منظر صرف چند لمحوں کے لیے دھندلایا تھا جب آنکھوں سے پانی بہنا شروع ہوا تو وہ پہلے سے بھی زیادہ کلیئر زیادہ بدصورت ہو کر سامنے آ گیا تھا۔ اس کی طرف کوئی متوجہ نہیں تھا۔ ایک قدم پیچھے ہٹ کر اس نے دیوار سے ٹیک لگالی۔ کسی نے ہال کا بیرونی دروازہ کھول دیا تھا۔

''اللہ میرے ساتھ یہ کیسے کر سکتا ہے۔ مجھے پاتال میں کیسے پھینک سکتا ہے۔'' وہ بہتے آنسوؤں کے ساتھ سوچ رہی تھی۔

''میں جلدی واپس نہیں آؤں گا۔'' ابھی صبح ہی تو اس نے کہا تھا۔ اس نے آنکھیں بند کرلیں۔

''پتا نہیں لوگ مجھے چھوڑ کر کیوں چلے جاتے ہیں۔ مجھ پر رحم کیوں نہیں کھاتے؟'' وہ فرش پر بیٹھ گئی۔

''یار! بعض دفعہ میرا دل چاہتا ہے، میں ہمیشہ کے لیے چپ ہو جاؤں بلکہ سب چپ ہو جائیں اگر کوئی بات کرے تو صرف تم۔ کسی کی آواز آئے تو صرف تمہاری۔ میری نہیں کسی کی بھی نہیں۔'' کوئی اس کے کانوں میں سرگوشی کر رہا تھا۔

''تو اب تم کبھی مجھے نظر نہیں آؤ گے۔'' میں چاہوں گی تو بھی تمہیں چھو نہیں پاؤں گی۔'' آنسوؤں کی رفتار میں بے حد اضافہ ہوگیا تھا۔

''رومی! آج سے تیس سال بعد جب ہم بوڑھے ہو جائیں گے تو ایسا کریں گے کسی سنسان سی جگہ پر اپنا گھر بنائیں گے کہیں پہاڑوں کے درمیان یا کہیں کسی جزیرے میں جہاں ہمارے علاوہ کوئی نہ ہو۔ کتنا رومانٹک لگتا ہے یہ سب۔ ہے نا۔ زندگی، تنہائی، خوبصورتی اور ہم۔ مگر ابھی اس خواب کو پورا ہونے میں تیس سال لگیں گے۔''

''تیس سال تیس سال'' وہ گھٹنوں میں سر دے کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تھی۔ ''پتا ہے رومی! میرا دل چاہتا ہے میں اپنے بچے کو بہت وقت دوں روز کچھ گھنٹے اس کے ساتھ ضرور گزاروں۔ اس کے ساتھ ہر موضوع پر بات کروں۔ کھیل سے لے کر اسٹڈیز تک ہر چیز پر۔ بزنس اہم ہونا چاہیے مگر سب سے اہم گھر ہونا چاہیے۔ بچے ہونے چاہئیں۔ میں اپنے باپ کی طرح دن رات بزنس میں مصروف نہیں رہنا چاہتا۔ اتنا مصروف نہیں رہنا چاہتا کہ میرا بچہ میری شکل بھی بھول جائے اور تمھیں میری تصویر دکھا کر اسے بتانا پڑے کہ یہ تمہارا باپ ہے۔''

پتا نہیں اسے کیا کیا یاد آ رہا تھا۔ یادیں جیسے خنجر بن کر اس پر وار کر رہی تھیں۔ وہ کتنے گھنٹے سر گھٹنوں میں چھپائے روتی رہی تھی۔

چار ماہ پہلے اسے لگا تھا جیسے کسی نے اس کی راہ کے سارے کانٹے چن لیے تھے۔ جیسے اس کے نصیب کی بدبختی ختم ہوگئی تھی۔ چار ماہ بعد وہ پھر وہیں کھڑی تھی۔ سب کچھ پہلے سے بھی بدتر تھا۔ پہلے زندگی میں کوئی نبیل سکندر نہیں تھا۔ زندگی مشکل تھی۔ وہ اب بھی نہیں تھا زندگی کیا رہ گئی تھی۔

✿

جس دن اس نے رومیصہ سے بات کی تھی بات کرنے کے دس گھنٹے بعد وہ ایک کار کریش میں مارا گیا تھا۔ اس کے ساتھ اس کے دو دوست بھی تھے مگر وہ دونوں محفوظ رہے تھے۔ انھیں صرف معمولی چوٹیں آئی تھیں مگر نبیل سکندر کے دماغ کے اندرونی حصہ پر چوٹ آئی تھی اور وہ فوری طور پر جاں بحق ہوگیا تھا۔ چار دن بعد اس کی لاش پاکستان لائی گئی تھی اور اسے دفن کر دیا گیا تھا۔ وہ اکیلا دفن نہیں ہوا تھا۔ اس کے ساتھ رومیصہ کے خواب، خواہشیں اور آرزوئیں بھی دفن ہوگئی تھیں سب کچھ پہلے کی طرح بکھر کر رہ گیا تھا۔ جب تک نبیل سکندر زندہ تھا تب تک سکندر علی کو رومیصہ کی پروا نہیں تھی مگر اس کی موت کے بعد وہ یک دم بدل گئے تھے۔ وہ روز دو تین بار رومیصہ کے پاس آتے، اسے تسلی دیتے اسے کھانا کھانے کی ہدایت کرتے۔ نبیل جانے سے پہلے ان سے لڑ کر گیا تھا اور وہ ان پر جتنی بے یقینی ظاہر کر کے گیا تھا۔ وہ شاید نادانستہ طور پر اسے غلط ثابت کرنا چاہتے تھے۔ بے شمار پچھتاوے تھے جو انھیں اپنے رویے کے بارے میں تھے۔ نبیل کی کہی گئی ایک ایک بات، ایک ایک جملہ جیسے ان کے دل میں کانٹے کی طرح گڑ کر رہ گیا تھا۔ اگر وہ یہ جانتے کہ اب وہ اسے دوبارہ کبھی زندہ نہیں دیکھیں گے تو شاید اس سے معافی مانگ لیتے۔ اپنے رویے کی معذرت کر لیتے۔ ایک بار اسے گلے لگاتے۔ اس کا ماتھا چومتے پھر شاید یہ کسک، یہ پچھتاوے اتنے تکلیف دہ نہ ہوتے بلکہ شاید ہوتے ہی نا۔ مگر سب کچھ ایسے ہی ہونا تھا۔ ان کے پچھتاوے نبیل کو واپس نہیں لا سکتے تھے۔ مگر کم از کم انھوں نے اس کی بیوی اور ہونے والے بچے کو تحفظ ضرور دے دیا تھا۔

دن آہستہ آہستہ گزر رہے تھے۔ سب کچھ معمول پر آتا جا رہا تھا۔ سب لوگ نارمل ہوتے جا رہے تھے۔ اگر کسی کے لیے نارمل ہونا مشکل تھا تو وہ رومیصہ تھی۔ چار ماہ میں نبیل سکندر نے اسے اتنا چاہا تھا کہ اب اس کے بغیر رہنا اسے یوں لگ رہا تھا۔ جیسے کسی نے اس کی آنکھوں پر پٹی باندھ دی ہو، اور اسے اندھی بن کر زندگی گزارنا پڑ رہا ہو۔ نبیل کے چالیسویں کے ایک ہفتہ کے بعد ممی اس کے پاس آئی تھی اور بڑے کھردرے انداز میں انھوں نے اس سے کہا تھا۔

''مجھے نبیل کی درازوں کی چابیاں چاہئیں۔'' وہ ان سے اس جملے کی توقع نہیں کر رہی تھی۔ نبیل کی موت سے لے کر اس دن تک انھوں نے اسے مخاطب نہیں کیا تھا۔ نہ اس سے بات کی تھی اور اب وہ درازوں کی چابیاں لینے آ گئی تھیں۔ وہ خاموشی سے ڈریسنگ روم میں چلی آئی۔ ممی

اس کے پیچھے ہی آ گئی تھیں۔ چابیاں ان کے ہاتھ میں تھمانے کے بعد وہ ڈریسنگ روم کے دروازے میں کھڑی ہوگئی۔ انھوں نے نبیل کی درازیں کھولنا شروع کر دی تھیں۔ ایک دراز انھوں نے باہر نکال لی تھی۔ اور باقی درازوں سے وہ نبیل کے کاغذات، کریڈٹ کارڈز، چیک بکس اور کرنسی سمیٹ کر اس دراز میں ڈالنے لگیں۔ ایک ایک کر کے انھوں نے نبیل کی ساری درازیں خالی کر دی تھیں۔ وہ دراز بھر گئی تو انھوں نے ایک اور دراز نکال لی پھر انھوں نے رومیصہ کی درازوں کی چابیاں مانگی تھیں۔ اسی خاموشی سے اس نے وہ بھی انھیں تھما دی تھیں۔ انھوں نے پہلے اس کی الماری کھولی تھی اور زیورات کے تمام ڈبے خالی کر دیے تھے۔ اس کے بعد انھوں نے حق مہر میں دیے گئے فلیٹ کے کاغذات بھی دراز میں ڈال لیے تھے۔ اس کے پاس ڈیڑھ دو لاکھ کی رقم بھی جو پچھلے چار ماہ میں وقتاً فوقتاً نبیل اس کی دراز میں رکھتا رہا تھا ممی نے وہ سارے روپے نکال لیے تھے۔ پھر انھوں نے اس کی چیک بک اور ایک پین اسے تھما دیا تھا۔

''ایک چیک پر دستخط کر دو۔'' وہی کھردری آواز پھر گونجی تھی۔ اس نے کسی معمول کی طرح سائن کر دیے تھے۔ دراز خالی کرنے کے بعد ممی نے ڈریسنگ ٹیبل کی درازیں کھولنا شروع کی تھیں اور وہاں موجود وہ جیولری بھی نکال لی تھی جو وہ گھر میں عام طور پر پہنتی تھی مگر نبیل کے مرنے کے بعد اس نے اتار دی تھی۔ سب چیزیں اکٹھی کرنے کے بعد انھوں نے ملازمہ کو بلوایا تھا اور وہ دراز اٹھا کر لے گئی تھی۔ وہ بے حد خاموشی سے بیڈ پر بیٹھ گئی تھی۔ چار ماہ پہلے اس کمرے میں آ کر اس نے سوچا تھا کہ وہ ایک ایسے خواب میں داخل ہوگئی ہے جو کبھی ختم نہیں ہوگا۔

وقت سے کون کہے یار ذرا آہستہ

گر نہیں وصل تو یہ خواب رفاقت

ہی ذرا دیر رہے

وقفہ خواب کے پابند ہیں

جب تک ہم ہیں

یہ جو ٹوٹا تو بکھر جائیں گے سارے منظر

تیرگی زار کو سورج ہے فنا کی تعلیم

ہست اور نیست کے مابین اگر

خواب کا پل نہ رہے

کچھ نہ رہے

وقت سے کون کہے

یار ذرا آہستہ

اور پانچ ماہ بعد اسے یوں لگ رہا تھا جیسے وہ کسی صحرا میں ہے جہاں دور دور تک کوئی ایسا نہیں ہے جس کی آنکھوں میں اس کے لیے رحم ہو۔

''ان چیزوں کا کیا ہے۔ نبیل بھی تو چلا گیا ہے پھر یہ تو بے جان چیزیں ہیں۔'' وہ خود کو سمجھانے کی کوشش کر رہی تھی مگر سمجھانا آسان نہیں تھا۔ اسے روپے کی پروا نہیں تھی۔ اسے سونے زیور کی بھی فکر نہیں تھی۔ جو اس نے شادی پر خریدا تھا۔ مگر وہ انگوٹھی جو نبیل نے اسے شادی سے پہلے پہنائی تھی شادی پر منہ دکھائی میں دیا جانے والا ڈائمنڈ کا سیٹ اور وہ چھوٹی موٹی جیولری جو شادی کے بعد مختلف موقعوں پر نبیل نے اسے دی تھی۔ وہ سب اسے رلا رہی تھیں۔ اس ایک شخص کے نہ ہونے سے کتنا کچھ بدل گیا ہے۔ یہ اسے آہستہ آہستہ سمجھ میں آ رہا تھا۔ مگر یہ تو صرف ابتدا تھی۔

اگلے روز سہ پہر کو ممی نے اسے نیچے بلوایا تھا۔ سیڑھیاں اترتے ہی اس نے ایک صوفہ پر بیٹھی ہوئی خالہ کو دیکھا تھا۔ دوسرے صوفہ پر تنے ہوئے چہرے کے ساتھ اس نے ممی کو بیٹھے دیکھا تھا۔ دھڑکتے دل کے ساتھ وہ خالہ کے قریب آئی تھی۔ اس نے ابھی خالہ کو سلام کیا ہی تھا کہ ممی نے کہا۔

''میں نے تمہاری خالہ کو اس لیے بلایا ہے کہ وہ تمہیں لے جائیں۔ تم جاؤ اور اپنا سامان پیک کرلو۔''

اسے لگا تھا کسی نے اس کے قدموں کے نیچے سے زمین کھینچ لی تھی وہ شاک کے عالم میں ممی کا چہرہ دیکھتی رہ گئی۔ جن کی آنکھوں میں بے پناہ سرد مہری تھی۔ ''میرا منہ مت دیکھو، جاؤ۔'' بے حد سخت لہجے میں اس سے کہا گیا تھا۔ اس کی آنکھوں میں نمی آ گئی جس لمحے سے وہ خوفزدہ تھی وہ آ گیا تھا۔

''ممی پلیز، مجھے اس گھر سے نہ نکالیں۔'' خود پر ضبط کرتے ہوئے کپکپاتی آواز میں اس نے کہا تھا۔

ممی اٹھ کر کھڑی ہوئی تھیں ''مجھے ممی مت کہو۔ تمہارا اور میرا اتنا رشتہ بھی نہیں ہے جتنا اس گھر میں کام کرنے والے نوکروں کا میرے ساتھ ہے۔ تمہیں جو لایا تھا جب وہی نہیں رہا تو پھر تمہارا یہاں کیا کام۔'' ان کا لہجہ تلخ تھا۔

''ٹھیک ہے۔ نبیل زندہ نہیں رہا اور آپ کا میرے ساتھ کوئی رشتہ نہیں ہے مگر نبیل کے بچے کے ساتھ......''

ممی نے اس کی بات کاٹ دی تھی۔ ''نبیل کا کوئی بچہ نہیں ہے اور کسی ہونے والے بچے سے ہمیں کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ اس لیے تم مجھے رشتے یاد دلانے کی کوشش نہ کرو۔ ہماری فیملی کو ایسے بچوں کی ضرورت نہیں ہے۔''

وہ یہ کہہ کر وہاں سے چلی گئی تھیں۔ وہ بے بسی کے عالم میں انھیں جاتا دیکھتی رہی۔ ''تمہیں فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ تم اوپر جاؤ اور اپنی ساری چیزیں لے آؤ، کچھ چھوڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔''

خالہ نے اسے تسلی دی تھی اور اس نے تشکر آمیز نظروں سے انھیں دیکھا تھا پھر وہ اوپر چلی آئی تھی۔ اس کے پاس اتنے کپڑے اور دوسرے لوازمات تھے کہ ان سب کو لے جانے کے لیے کم از کم ایک درجن بیگز کی ضرورت تھی۔ لیکن اسے ان چیزوں کو لے جانے کی خواہش نہیں تھی، ان سب چیزوں کی ضرورت اسے نبیل کی زندگی میں تھی۔ اب اسے کس کے لیے بناؤ سنگھار کرنا تھا۔ برستی آنکھوں کے ساتھ ایک بیگ میں اس نے اپنے چند سادہ جوڑے اور دوسری چیزیں رکھیں اور ایک آخری نظر اس کمرے پر ڈال کر باہر نکل آئی۔ خالہ نے اسے ایک بیگ کے ساتھ آتے دیکھ کر اعتراض کیا تھا۔

''خالہ! میرے پاس اور کوئی بیگ نہیں ہے جس میں میں باقی کپڑے لے آؤں اور اگر میں ممی سے بیگ مانگوں گی تو وہ کبھی نہیں دیں گی۔

اس لیے جھگڑا کرنے کا فائدہ نہیں ہے۔'' خالہ نے کچھ پس وپیش کی تھی مگر پھر با دل نخواستہ وہ چل پڑی تھیں۔

پچھلے کئی سالوں سے وہ خالہ کے گھر رہتی رہی تھی وہ گھر اس کے لیے اجنبی نہیں تھا۔ مگر اس بار وہاں جاتے ہوئے اسے جتنا برا لگا تھا کبھی پہلے نہیں لگا۔ گھر آنے کے بعد خالہ کافی دیر تک اس کے سسرال والوں کے خلاف بولتی رہی تھیں پھر انھوں نے اس سے کہا تھا۔

''رومیصہ! تم اپنا زیور اور فلیٹ کی رجسٹری مجھے دے دینا میں کل صبح بینک میں رکھوا دوں گی۔ تمھیں پتا ہے آج کل زمانہ کتنا خراب ہے۔''

''خالہ! میرے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔ سب چیزیں ممی نے کل لے لی تھیں۔''

اس نے دھیمے لہجے میں ان سے کہا تھا اور چند لمحوں میں خالہ کا ہمدردانہ رویہ بدل چکا تھا۔ وہ یک دم طیش میں آ گئی تھیں اور جو ان کے منہ میں آیا انھوں نے اسے کہہ ڈالا۔ وہ سر جھکائے سب کچھ سنتی رہی، اس کے علاوہ اور کیا کر سکتی تھی۔ لیکن بہر حال یہ اندازہ اسے ہو گیا تھا کہ خالہ اسے نہیں لائی تھیں۔ اپنے زعم میں سونے کی چڑیا لے کر آئی تھیں۔

سکندر علی کو قطعاً علم نہیں تھا کہ فاخرہ رومیصہ کو گھر سے نکال چکی ہیں۔ نہ انھوں نے ان سے مشورہ لیا تھا نہ بتانے کی زحمت کی تھی۔ اس رات حسب معمول سب گھر والے کھانے کی میز پر اکٹھے تھے۔ ذیشان بھی ویک اینڈ پر گھر آیا ہوا تھا، جب کھانا کھاتے کھاتے اچانک سکندر علی نے کھانا سرو کرتے ہوئے ملازم سے پوچھا۔

''رومیصہ بی بی! کھانا کھا چکی ہیں؟'' نبیل کی موت کے بعد سے رومیصہ اپنے کمرے میں ہی کھانا کھایا کرتی تھی۔ اور سکندر علی کے اصرار کے باوجود وہ کھانے کی میز پر آنے کی ہمت نہیں کر سکی تھی۔ ملازم نے کچھ حیرانی سے انھیں دیکھا تھا۔ شاید اسے ان کی لاعلمی پر حیرت ہوئی تھی لیکن وہ خاموش رہا۔ اس سے پہلے کہ سکندر علی دوبارہ سوال کرتے۔ فاخرہ نے ملازم کو جانے کا اشارہ کیا تھا۔

''اسے میں نے آج بھیج دیا ہے۔'' بے حد اطمینان سے انھوں نے سلاد کھاتے ہوئے کہا تھا۔ سکندر علی کا پانی کے گلاس کی طرف بڑھتا ہوا ہاتھ رک گیا۔ ذیشان نے بھی حیرت سے ماں کو دیکھا تھا۔ باقی لوگ اطمینان سے کھانا کھاتے رہے۔ ان کے لیے یہ خبر نئی نہیں تھی۔

''کہاں بھیج دیا ہے؟'' سکندر علی کچھ نہیں سمجھے تھے۔

''جہاں سے وہ آئی تھی اور جہاں اسے چلے جانا چاہیے تھا۔'' بے حد سرد مہری سے جواب دیا گیا تھا۔

''پاپا! کبھی کبھی میں سوچتا ہوں کہ اگر آج میں مر جاؤں تو آپ لوگ تو مجھے دفن کرنے سے بھی پہلے رومیصہ کو دھکے دے کر اس گھر سے نکال دیں گے۔ آپ لوگ تو ایک بار بھی نہیں سوچیں گے کہ میں نے اس سے کتنی محبت کی تھی۔ آپ کو ایک لمحے کے لیے بھی اس پر ترس نہیں آئے گا۔''

سکندر علی کو لگا تھا کسی نے ان کا دل مٹھی میں جکڑ لیا ہو۔ نبیل کی آواز ان کے کانوں میں گونج رہی تھی اور کچھ یہی حال ذیشان کا تھا۔

''ممی! آپ نے کس سے پوچھ کر بھابھی کو گھر سے نکالا ہے؟'' بے حد تلخ آواز میں ذیشان نے فاخرہ سے پوچھا تھا۔

''ذیشان! تمھیں اس بارے میں بات کرنے کا کوئی حق نہیں ہے تمہارا اس معاملے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔'' فاخرہ نے اسے بری طرح

جھڑک دیا تھا۔

''میرا تعلق تو ہے نا اور یہی سوال میں تم سے پوچھتا ہوں۔ تم اسے یہاں سے نکالنے والی کون ہو؟'' اس بار سکندر علی نے تیز آواز میں کہا تھا۔

''یہ میرا گھر ہے مجھے حق ہے کہ میں رومیصہ جیسے لوگوں کو یہاں نہ رہنے دوں۔''

''ہاں، یہ تمہارا گھر ہے مگر یہ صرف تمہارا گھر نہیں ہے۔ یہ نبیل کا بھی گھر ہے اور رومیصہ نبیل کی بیوی ہے۔'' سکندر علی بے تحاشہ غصے میں تھے۔

''وہ نبیل کی بیوی تھی اس کے مرنے کے بعد......'' فاخرہ کے لہجے میں ابھی بھی پہلے والی سرد مہری تھی۔ مگر سکندر علی نے ان کی بات مکمل نہیں ہونے دی۔

''کل کو اگر میں مر جاؤں تو کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ میری اولاد تمھیں اس گھر سے نکال دے؟'' انھوں نے تیکھے لہجے میں فاخرہ سے پوچھا تھا جو ان کی بات پر بھڑک گئی تھیں۔

''تم مجھے رومیصہ کے برابر لانے کی کوشش مت کرو۔''

''میں تم سے مزید بحث نہیں چاہتا۔ صرف یہ بتانا چاہ رہا ہوں کہ میں رومیصہ کو واپس لا رہا ہوں۔'' سکندر علی اپنی کرسی سے اٹھ گئے تھے۔

''تم اسے یہاں نہیں لا سکتے۔ میں یہ کبھی نہیں ہونے دوں گی۔''

''فاخرہ! یہ گھر میرے روپے سے بنا ہے اور میرے نام ہے رومیصہ کو بھی یہاں رہنے کا پورا حق ہے اور اگر وہ یہاں نہیں رہ سکتی تو پھر کوئی بھی نہیں رہ سکتا۔'' وہ اپنی کرسی سے کھڑے ہو گئے تھے۔ سب لوگ ہاتھ روکے انھیں دیکھ رہے تھے۔

''ذیشان! تم میرے ساتھ آؤ۔'' انھوں نے ذیشان سے کہا تھا اور وہ بڑی فرمانبرداری سے اپنی کرسی سے اٹھنے لگا تھا۔

''سکندر! تم کیا کرنے لگے ہو؟'' فاخرہ نے اس سوال کا جواب جانتے ہوئے بھی پوچھنا ضروری سمجھا تھا۔

''میں اسے ابھی اور اسی وقت واپس لانے جا رہا ہوں۔''

وہ یہ کہہ کر باہر کی طرف بڑھ گئے تھے۔ ذیشان ان کے پیچھے تھا، ان دونوں نے اپنے پیچھے فاخرہ کے چیخنے چلانے کی آوازیں سنی تھیں مگر اس کی پروا کیے بغیر وہ باہر آ گئے۔

رات نو بجے وہ خالہ کے گھر اسے لینے گئے تھے اور خالہ جو یہ جاننے کے بعد کہ وہ بالکل خالی ہاتھ ہے اس سے چھٹکارا حاصل کرنے کے طریقے سوچ رہی تھیں۔ انھوں نے ایک بار بھی اسے روکنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ اگر وہ ایسا کرتیں بھی تو بھی وہ کبھی وہاں نہ رکتی۔ ان چند گھنٹوں میں ہی اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ اب اس گھر میں اس کے لیے گنجائش نہیں رہی۔ گھر میں تو شاید نکل آتی مگر دلوں میں کبھی نہیں۔ وہ سکندر علی اور ذیشان کے ساتھ واپس آ گئی۔ سکندر علی سارا راستہ اسے دلاسہ دیتے رہے تھے۔ اور اسے اس وقت اسی چیز کی سب سے زیادہ ضرورت تھی۔ ذیشان خاموشی سے گاڑی چلاتا رہا تھا۔ اسے رومیصہ کی حالت پر افسوس ہو رہا تھا۔ وہ جانتا تھا نبیل نے اس سے بے تحاشا محبت کی تھی بلکہ شاید محبت کی ہی اس سے تھی اور اب وہ یوں در بدر ہو گئی تھی۔

''اور اگر کہیں یہ نبیل کی زندگی میں ہوا ہوتا تو وہ گھر میں قیامت برپا کر دیتا اور سارا فرق نبیل کی زندگی کا ہی تو ہے اگر وہ ہوتا تو یہ سب کبھی نہ ہوتا۔''

وہ گاڑی چلاتے ہوئے افسردہ ہو گیا تھا۔ واپسی میں نیچے ہال میں کوئی نہیں تھا۔ شاید وہ اب کوئی ہنگامہ نہیں دیکھنا چاہتے تھے اور حیرت کی بات تو یہ تھی کہ فاخرہ بھی وہاں نہیں تھیں ورنہ سکندر علی کو توقع تھی کہ وہ رومیصہ اور ان کے زبردست استقبال کے لیے ضرور وہاں موجود ہوں گی، بہر حال ان کی عدم موجودگی پر انھوں نے شکر ادا کیا تھا رومیصہ کو انھوں نے اوپر بھیج دیا تھا۔

''ذیشان! تم ذرا اپنی ماں کو سمجھاؤ۔ تمہاری بات وہ سن لیتی ہے، تم ہی اس کا دماغ ٹھیک کرنے کی کوشش کرو۔'' انھوں نے ذیشان سے کہا تھا اور وہ ترحم بھری نظروں سے انھیں دیکھنے لگا تھا، جو بے حد تھکے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ وہ باپ کے کوئی زیادہ قریب نہیں تھا اور نہ ہی ان دونوں کے درمیان انڈر اسٹینڈنگ نام کی کوئی چیز تھی بلکہ کچھ عرصہ پہلے تک تو ذیشان کی جاب کی وجہ سے دونوں کے درمیان خاصا تناؤ تھا مگر اب نبیل کی موت نے یک دم دونوں کو قریب کر دیا تھا۔ وہ جانتا تھا نبیل ان کا لاڈلا تھا۔ اپنی غلط حرکتوں کے باوجود وہ ہمیشہ ان کا چہیتا ہی رہا تھا۔ شاید کسی دوسرے بیٹے کی موت کا ان پر وہ اثر نہ ہوتا جو نبیل کی موت کا ہوا تھا۔ وہ خود بھی نبیل کے عشق میں گرفتار رہا تھا۔ دونوں کی کیفیات ایک جیسی تھیں، دونوں نے اسے کھویا تھا جسے وہ کبھی کھونا نہیں چاہتے تھے۔

''میں بات کرتا ہوں ان سے۔ آپ پریشان نہ ہوں وہ بھابھی کو قبول کر ہی لیں گی۔''

اس نے انھیں تسلی دینے کی کوشش کی تھی مگر سکندر علی فاخرہ کو اس سے زیادہ جانتے تھے۔ وہ کتنی ضدی اور منتقم مزاج عورت تھیں۔ یہ ان سے بہتر کون جان سکتا تھا۔ مگر پھر بھی انھوں نے سر ہلا دیا تھا۔

ذیشان ان کے ساتھ ہی ان کے بیڈ روم میں چلا گیا تھا اور وہاں فاخرہ نے ان دونوں کو دیکھتے ہی چلانا شروع کر دیا تھا۔ سکندر علی بالکل چپ رہے تھے اور ذیشان نے ماں کا غصہ ٹھنڈا کرنے کی کوشش شروع کر دی تھی۔ مگر فاخرہ پر تو جیسے جنون سوار تھا۔ انھوں نے ذیشان کو بھی بے بھاؤ کی سنائی تھیں۔ انھیں اس کے باپ کے ساتھ جانے پر اعتراض تھا۔ انھیں منانے اور سمجھانے کی اس کی ساری کوششیں بری طرح ناکام رہی تھیں۔ وہ کچھ سننے پر تیار ہی نہیں تھیں۔ اسے ممی کی کوئی خاص پروا نہیں تھی بالکل ویسے ہی جیسے ذیشان کو باپ کی زیادہ پروا نہیں تھی۔ نبیل کو بحث کی بھی عادت نہیں تھی۔ وہ ہمیشہ اپنی بات منوایا کرتا تھا، لیکن بحث میں الجھے بغیر وہ ہمیشہ کہا کرتا تھا۔

''مجھے کوئی قائل نہیں کر سکتا پھر میں اپنا اور دوسروں کا وقت ضائع کیوں کروں۔ میں تو وہی کرتا ہوں جو کرنے کا فیصلہ کرتا ہوں۔''

نبیل کے ساتھ ممی کا اکثر کسی نہ کسی بات پر جھگڑا ہو جاتا تھا۔ وہ اس کی شادی اپنی بھانجی سے کرنا چاہتی تھیں مگر نبیل کو شادی سے کوئی دلچسپی ہی نہیں تھی اور جب دلچسپی ہوئی تو وہ ایک ایسی لڑکی بیاہ لایا جو ان کو ایک آنکھ نہیں بھاتی تھی۔ مگر وہ اسے مجبور نہیں کر سکتی تھیں ہاں مگر اپنا غصہ رومیصہ پر ضرور نکال سکتی تھیں اور اب وہ یہی کر رہی تھیں۔ نافرمان بیٹے کی بیوی کتنی بھی اچھی کیوں نہ ہو۔ وہ ممی جیسی عورتوں کو بری ہی لگتی ہے۔ جب تک نبیل زندہ تھا وہ اسے گھر میں رکھنے پر مجبور تھیں مگر اب جب وہ نہیں رہا تھا تب بھی وہ اسے گھر پر رکھنے پر مجبور کر دی گئی تھیں مگر انھوں نے بھی طے کر لیا تھا کہ وہ اس گھر میں اس کا جینا دوبھر کر دیں گی اور انھوں نے یہی کیا تھا۔

یک دم ہی انھوں نے گھر کا پورا کام اس کے سر تھوپ دیا تھا۔اس بات کی پروا کیے بغیر کہ وہ ماں بننے والی تھی اور ابھی جس حادثے سے گزری تھی اس کے بعد اسے مکمل ذہنی اور جسمانی آرام وسکون چاہیے تھا۔رومیصہ نے کسی کام پر کوئی اعتراض نہیں کیا تھا۔اب کون سا نبیل تھا جو اس کی مدد کے لیے آتا۔اب تو اسے اس گھر میں اپنے لیے جگہ بنانی تھی۔دلوں میں نہ سہی مگر گھر میں تو ہو۔بڑے صبر سے وہ سارا دن کام میں لگی رہتی۔

پہلے جب ممی اسے کام کے لیے کہا کرتی تھیں تو تب وہ صرف کام کی نگرانی کیا کرتی تھی مگر اب وہ خود نوکروں کے ساتھ سارے کام کروایا کرتی تھی۔صبح سے رات تک کام میں جتے رہنے کے باوجود ممی خوش نہیں ہوتی تھیں۔وہ معمولی بات پر نوکروں کے سامنے اسے ذلیل کر دیتیں۔مگر اسے ان سے کوئی گلہ،کوئی شکوہ نہیں تھا۔اس کے لیے بس یہی کافی تھا کہ وہ اسی گھر میں ہے جہاں نبیل اسے لایا تھا اور نبیل کا بچہ بھی اپنے خاندان میں ہی پلے گا۔

رات کو گیارہ بجے وہ فارغ ہو کر اوپر اپنے کمرے میں آتی اور اتنی تھکی ہوئی ہوتی کہ اس کے پاس اتنی فرصت بھی نہیں ہوتی تھی کہ وہ نبیل کے بارے میں سوچ پائے۔کبھی کبھی جب اسے نیند نہ آتی تو وہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے جا بیٹھتی اور اپنا وجود اسے اتنا اجنبی لگتا کہ وہ اسے پہچاننے کی جستجو کرنے لگتی۔اس کے چہرے پر کچھ بھی تو پہلے جیسا نہیں رہا تھا۔وہ آنکھیں جن پر نبیل بہت ملائمت سے گھنٹوں انگلیاں پھیرتا رہتا تھا۔اب سیاہ حلقوں کی قید میں تھیں۔دودھیا رنگت کملا چکی تھی۔کئی کئی دن بالوں میں کنگھی کیے بغیر گزر جاتے اور اسے احساس بھی نہ ہوتا اور کبھی جب اسے خیال آتا تو وہ ہاتھ سے ہی بال سنوار لیتی۔ایک عجیب سی بے نیازی آ گئی تھی اس میں۔ماضی،حال،مستقبل تینوں میں اسے دلچسپی نہیں رہی تھی۔تینوں اس کے لیے ایک جیسے تکلیف دہ تھے۔

''ممی! میں ڈاکٹر کے پاس چلی جاؤں۔'' اس دن اس نے بہت جھجکتے اور ڈرتے ڈرتے فاخرہ سے پوچھا تھا۔ نبیل کی موت کے بعد سے وہ ڈاکٹر کے پاس چیک اپ کے لیے نہیں گئی تھی۔ مگر اب کچھ دنوں سے اس کی طبیعت بہت خراب رہنے لگی تھی اور ڈاکٹر بھی اسے دو تین دفعہ چیک اپ کے لیے فون کر چکی تھی۔ ممی کچھ دیر تک بہت عجیب سی نظروں سے اسے دیکھتی رہی تھیں۔

''کیا کرو گی اس بچے کو رومیصہ؟ کیا کرو گی۔ کیسے پالو گی اسے۔ اس خاندان کا نام تو اسے نہیں ملے گا۔ کیونکہ آج نہیں تو کل تمھیں یہاں سے جانا ہی ہے، پھر کیوں اپنے پیروں میں زنجیر ڈال رہی ہو۔ تم ابارشن کروالو۔ ایک دو سال بعد آرام سے کہیں بھی شادی کر سکتی ہو۔ مگر بچے کے ساتھ تمھیں کوئی قبول نہیں کرے گا۔ اس سے اپنی جان چھڑالو۔ یہ تمھارے حق میں بہتر ہوگا۔'' ممی نے پہلی بار کچھ نرم لہجے میں اس سے کہا تھا۔ وہ گم صم سی ان کا چہرہ دیکھتی رہی۔

''ممی! مجھے اب کبھی شادی نہیں کرنی ہے۔ کبھی بھی نہیں۔ مجھے بس اپنے بچے کے ساتھ رہنا ہے آپ خدا کے لیے ایسی باتیں نہ کریں میرے پاس اس بچے کے علاوہ اور ہے کیا۔ اسے کیسے ماردوں میں۔'' اس کی آواز بھرا گئی تھی۔

''بہت بڑی ایکٹریس ہوتی ہو تم مڈل کلاس لڑکیاں۔ بڑے ہتھیار ہوتے ہیں تمھارے پاس۔ ساری زندگی چہرے پر ماسک لگائے گزار دیتی ہو۔ پارسائی کا ماسک، شرافت کا ماسک، وفاداری کا ماسک، قربانی کا ماسک حالانکہ ان میں سے کچھ بھی نہیں ہوتا تمھارے پاس اور رومیصہ عمر! تم بھی مڈل کلاس کی لڑکی ہو۔ کیا سوچتی ہو کہ ہر کوئی نبیل سکندر ہوتا ہے جو اس ماسک کے پار نہ دیکھ پائے، نہیں ایسا نہیں ہے۔ نبیل بے وقوف تھا۔ میں نہیں ہوں۔ اگر تمہاری تمنا صرف نبیل کے بچے کے ساتھ رہنے کی ہے تو اس گھر سے چلی جاؤ۔ کہیں بھی چلی جاؤ۔ بس دوبارہ کبھی ہماری زندگی میں نہ آنا۔ میں تمھیں اتنا روپیہ دے دوں گی کہ تمھارے سر چھت اور دو وقت کی روٹی آجائے۔ بس تم یہ گھر چھوڑ دو؟

''ممی! آپ مجھے یہاں رہنے دیں۔ میں کبھی آپ سے کوئی مطالبہ نہیں کروں گی نہ ہی آپ کو مجھ سے کوئی شکایت ہوگی مگر مجھے یہاں رہنے دیں۔''

''اگر تم یہاں رہنا چاہتی ہو تو پھر میری بات مان لو۔ ابارشن کروالو۔ تمھارے لیے اس گھر میں جگہ نکل سکتی ہے مگر تمھارے بچے کے لیے نہیں۔''

اس سے پہلے کہ وہ مزید کچھ کہتی، اسے اپنے پیچھے ہلکی سی آہٹ سنائی دی تھی۔ اس نے مڑ کر دیکھا تھا اس سے چند قدموں کے فاصلے پر دروازے کے قریب ذیشان کھڑا تھا۔ وہ سر جھکائے اپنے بھیگے ہوئے چہرے کو چھپاتے ہوئے کمرے سے چلی گئی۔ فاخرہ کچھ گھبرا گئی تھیں انھیں ایک دم ذیشان کے وہاں آجانے کی توقع نہیں تھی اور ذیشان کے چہرے کے تاثرات بتا رہے تھے کہ وہ ان کی باتیں سن چکا تھا۔ رومیصہ کے باہر نکلتے ہی اس نے تیز آواز میں ماں سے کہا تھا۔

''آپ جانتی ہیں آپ بھابھی سے کیا کہہ رہی تھیں؟''

''ذیشان! تم اس معاملے میں مت پڑو۔ اس مسئلے سے تمہارا کوئی تعلق نہیں ہے۔'' انھوں نے اسے جھڑک کر چپ کروانے کی کوشش کی تھی مگر ذیشان پر کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔

''اگر میرا اس معاملے سے کوئی تعلق نہیں ہے تو آپ کا بھی نہیں ہے۔ ممی! مجھے یقین نہیں آ رہا تھا کہ آپ نبیل کے بچے کو مارنے کی کوشش کر رہی ہیں۔ آپ یہ کیسے کر سکتی ہیں۔ بھابھی سے آپ کا رشتہ نہ سہی مگر نبیل کے بچے سے تو ہے۔ مگر آپ اسے پیدا ہونے سے پہلے ہی مار دینا چاہتی ہیں۔ آپ نبیل کا نام، اس کی نسل ہی ختم کر دینا چاہتی ہیں۔ ممی! مجھے یقین نہیں آ رہا کہ یہ سب میں نے آپ کی زبان سے سنا ہے۔''

اس کی آواز کی تیزی ختم ہو گئی تھی۔ لہجے میں بے یقینی تھی۔

''میں تمہاری طرح جذباتی نہیں ہوں۔ عقل سے کام لیتی ہوں۔ وہ نبیل کا بچہ نہیں رومیصہ کا بچہ ہوگا اور وہ وہی کرے گا جو اس کی ماں چاہے گی۔ کل کو وہ نبیل کا حصہ لینے اٹھ کھڑا ہوگا پھر تم لوگ ہی روؤ گے۔''

فاخرہ نے اپنی پوزیشن صاف کرنے کی کوشش کی تھی۔

''ممی! اگر جائیداد میں سے حصہ چاہے گا تو ٹھیک ہے دے دیں گے آفٹر آل یہ اس کا حق ہوگا۔ مگر آپ کو اس کی جان لینے کا کوئی حق نہیں ہے۔ اور آپ دوبارہ بھابھی سے ایسی بات نہیں کریں گے۔'' ذیشان نے فاخرہ کو سخت لہجے میں روکا تھا۔

''تم بہت بے وقوف ہو ذیشان! بے حد احمق ہو۔''

''ٹھیک ہے۔ میں آپ کے بقول بے وقوف اور احمق ہوں تو مجھے بے وقوف ہی رہنے دیں۔ مجھے ایسی عقل نہیں چاہیے جو مجھے خون کے رشتے بھلا دے۔''

وہ یہ کہتا ہوا کمرے سے باہر نکل گیا تھا اور اس نے صرف ماں کو ہی خبردار نہیں کیا تھا بلکہ اسی رات اس نے سکندر علی کو بھی فاخرہ کے خیالات کے بارے میں واقف کر دیا تھا۔ فاخرہ اور سکندر علی کے درمیان اس رات شدید جھڑپ ہوئی اور وجہ وہ بچہ تھا جو ابھی پیدا بھی نہیں ہوا تھا۔ بحث کا نتیجہ صرف یہ نکلا تھا کہ فاخرہ کے دل میں رومیصہ کے خلاف نفرت کچھ اور زیادہ ہو گئی تھی۔ ہر صورت میں اس سے جان چھڑانا چاہتی تھیں اور اب یہ کام انہیں مشکل نظر آ رہا تھا۔ اس جھگڑے سے جہاں فاخرہ کی نفرت میں اضافہ ہو گیا تھا وہاں سکندر علی کی توجہ اور محبت میں بھی اضافہ ہو گیا تھا۔ انہوں نے اگلے دن رومیصہ کو کچھ روپے دیے تھے اور اس سے کہا تھا کہ اسے جب بھی کہیں جانا ہو وہ ان کے ڈرائیور سے کہہ دیا کرے اور وہ اسے لے جایا کرے گا اور اس سلسلے میں اسے ممی سے پوچھنے کی ضرورت نہیں ہے۔

پھر یونہی ہونے لگا تھا وہ ہر ہفتے ڈرائیور کے ساتھ ہاسپٹل چلی جاتی۔ نبیل نے پتا نہیں کیا سوچا تھا۔ امریکہ جانے سے پہلے وہ ڈلیوری تک کے لیے ہاسپٹل میں ایک خاصی بڑی رقم جمع کروا چکا تھا۔ اس کی موت کے بعد جب وہ پہلی بار ہاسپٹل چیک اپ کروانے کے لیے گئی تو چیک اپ کے بعد اس نے واپس آ کر سیکرٹری کو کچھ روپے دینے کی کوشش کی تھی جو سکندر علی نے اسے دیے تھے۔

''ایک منٹ میڈم میں ذرا پہلے آپ کا اکاؤنٹ چیک کر لوں پھر آپ اس بل کو پے کیجئے گا۔'' سیکرٹری نے کمپیوٹر کے کچھ Keys دباتے ہوئے کہا تھا۔ وہ سر جھکائے دیکھتی رہی۔

''رومیصہ سکندر وائف آف نبیل سکندر آپ کا نمبر اناسی ہے نا'' وہ لڑکی کمپیوٹر پر کام کرتے ہوئے تصدیقی لہجے میں پوچھ رہی تھی۔ اس نے

اثبات میں سر ہلا دیا۔

''نہیں میڈم! آپ کو بل پے کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ کے ہسبینڈ ڈلیوری تک کے ڈیوز پہلے ہی پے کر چکے ہیں۔''

اس لڑکی نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔ رومیصہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔ کاؤنٹر پر رکھے ہوئے روپے اٹھا کر وہ باہر آ گئی تھی۔

پارکنگ کی طرف جانے کے بجائے وہ لان میں آ کر بیٹھ گئی تھی اور پتا نہیں کتنی دیر وہ وہیں بیٹھی رہی۔ یہ ایک پرائیویٹ ہاسپٹل تھا، ایک درخت کے نیچے لکڑی کے بینچ کی پشت سے ٹیک لگائے وہ ہاسپٹل کے اندر جاتے اور باہر آتے ہوئے جوڑوں کو دیکھتی رہی۔ چند ماہ پہلے وہ بھی تو نبیل کے ساتھ ہی آیا کرتی تھی مسکراتے جگمگاتے چہرے کے ساتھ، اپنے بچے کے بارے میں باتیں کرتے ہوئے، مستقبل کی پلاننگ کرتے ہوئے۔

''یار! بندے کو ہر کام سوچ سمجھ کر کرنا چاہیے۔ زندگی کو اچھے طریقے سے گزارنے کے لیے یہ بہت ضروری ہے۔ میں اپنے ہر آنے والے سال کو پہلے ہی پلان کر لیتا ہوں۔ بہت آسانی ہو جاتی ہے اس سے اور صرف خود کو ہی نہیں اپنے اردگرد کے لوگوں کو بھی۔''

''لیکن میرے لیے اب کیا آسانی ہو گی؟'' نبیل کی بات اسے یاد آئی اور اس کے گال بھیگنے لگے تھے۔ ایک بار پھر اسے بہت کچھ یاد آ رہا تھا۔ اس کا دل چاہ رہا تھا وہ کبھی واپس اس گھر میں نہ جائے۔ اس کا دل چاہ رہا تھا اس کی زندگی سے یہ چھ سات ماہ غائب ہو جائیں۔ ذہ کبھی کوئی نبیل سکندر اس کی زندگی میں آیا ہو۔ نہ وہ کبھی جاب کے لیے اس آفس میں گئی ہو بس وہ آنکھیں بند کر کے کھولے اور وہ دوبارہ وہیں کھڑی ہو۔ جہاں وہ جاب کرنے سے پہلے کھڑی تھی مگر یہ کبھی نہیں ہو سکتا۔ آنکھیں بند کرنے سے منظر غائب ہو جاتا ہے زندگی نہیں، نبیل نہیں، بچہ نہیں۔ وہ تھکے قدموں کے ساتھ اٹھ کر پارکنگ کی طرف چلی گئی۔

گھر میں سب کچھ ویسے ہی تھا وہی ممی کی تیکھی نظریں، زہریلی باتیں باقی سب کی بے رخی، بے پروائی۔

''پتا نہیں وہ لوگ کیسے ہوتے ہیں جو دوسروں کو بدل لیتے ہیں۔ میں تو کچھ بھی بدل نہیں پا رہی۔''

وہ اکثر سوچتی۔ اب نبیل کی طرح اسے بیٹی کی خواہش بھی نہیں رہی تھی جو واحد دعا وہ ان دنوں خدا سے کرتی رہتی تھی، وہ بیٹے کی تھی۔ بیٹی کے سر پر اگر باپ نہ ہو تو اس کا کیا حال ہوتا ہے یہ وہ دیکھ چکی تھی اور وہ نہیں چاہتی تھی کہ ایک بار پھر اس کی کہانی اس کی بیٹی کے ساتھ دہرائی جائے۔

''بیٹی کو میں کیا دے سکتی ہوں۔ کچھ بھی نہیں۔ بیٹے کو کچھ نہ بھی ملا تب بھی وہ اپنے لیے کچھ نہ کچھ کر ہی لے گا۔''

اس کے ذہن میں پتا نہیں کیا کیا آتا رہتا۔ کبھی کبھی اسے یہ سوچ کر بھی وحشت ہونے لگتی کہ اگر بیٹی پیدا ہو گئی تو کیا ہو گا وہ کیا کرے گی۔

وہ رات کو جاگتی رہتی کئی کئی گھنٹے ٹیرس پر بے مقصد چکر لگاتی رہتی۔

''اللہ مجھے اب کوئی صدمہ نہ پہنچانا۔ میری دعا قبول کر لینا۔ آج تک تم مجھے چیزوں سے محروم کرتے آئے ہو مگر کم از کم اب تو ایک ایسی چیز مجھے دے دینا جو میں چاہتی ہوں جو میری خواہش ہے۔''

وہ دعا مانگنے پر آتی تو بیٹے کے لیے کئی کئی گھنٹے دعائیں مانگتی رہتی۔

✿

مگر کوئی دعا قبول نہیں ہوئی تھی۔ وہ ڈاکٹر کے منہ سے بیٹی کی پیدائش کی خبر سن کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تھی۔

''خدا کیوں میرے ساتھ یہ سب کچھ کر رہا ہے آخر کیوں۔'' وہ بے اختیار کہتی جاتی۔ ڈاکٹر نے اسے بمشکل چپ کروایا تھا اور پھر اس کے اعصاب کو پرسکون کرنے کے لیے خواب آور انجکشن دے دیا تھا۔ دوبارہ ہوش میں آنے پر اس نے خود کو ایک کمرے میں اکیلا پایا تھا۔ آنکھیں کھولے چت لیٹی ہوئی وہ کتنی ہی دیر چھت کو دیکھتی رہی۔ انیس سال کی عمر میں اس کی شادی ہوگئی تھی۔ انیس سال کی عمر میں وہ بیوہ ہوگئی تھی اور اسی عمر میں وہ ایک بچی کی ماں بن گئی تھی۔ بچپن گزار کر اس نے یک دم بڑھاپے میں قدم رکھ دیا تھا۔ جوانی تو شاید کہیں آئی ہی نہیں تھی۔ اس کے دل میں اپنی بچی کو دیکھنے کی خواہش پیدا نہیں ہو رہی تھی۔

''دیکھنا یار! میری بیٹی دنیا کی Most wanted بچی ہوگی۔ جتنا انتظار مجھے اس کا ہے شاید دنیا کے اور کسی باپ کو اپنی اولاد کا نہ ہو۔'' ایک بار پھر وہی آواز اس کے کانوں میں گونجنے لگی تھی۔ اس نے اپنی آنکھوں کو بند کر لیا۔

''اور اگر نبیل ہوتا تو کیا میں اس وقت یہاں یوں اکیلی پڑی ہوتی۔ کیا اس کمرے میں اتنی خاموشی ہوتی۔''

ایک سوچ اس کے دماغ میں لہرائی تھی۔ وہ ایک دن پہلے ہاسپٹل آئی تھی اور تب سے لے کر بچی کی پیدائش تک وہ وہاں اکیلی ہی تھی۔ کوئی اس کے ساتھ آیا تھا نہ اس کی خبر گیری کے لیے آیا تھا۔ شام کو نرس اس کی بچی کو لے کر اس کے پاس آئی تھی۔ بجھے ہوئے دل کے ساتھ اس نے کمزور و نحیف وجود کو دیکھا تھا جو اسے تھمایا گیا تھا۔ وہ اسے گود میں لیے بیٹھی رہی۔ ممتا جیسے کوئی جذبات اسے محسوس نہیں ہو رہے تھے۔ پتا نہیں دل اتنا بنجر کیوں تھا۔ وہ ننھا سا وجود اپنی آنکھوں کو بڑی جدوجہد سے پورا کھولنے کی کوشش کر رہا تھا۔ پتا نہیں وہ کیا دیکھنا چاہتا تھا۔ وہ بے دماغی کے عالم میں اس کا چہرہ دیکھتی رہی۔ اس کے نقوش بہت شناسا سا، بہت مانوس سے تھے، وہ نبیل کا چہرہ تھا۔ بہت دیر بعد اسے محسوس ہوا تھا اور پتا نہیں کچھ بے اختیار سی ہو کر وہ اس کے چہرے پر اپنی انگلیاں پھیرنے لگی تھی۔ ہونٹ، ناک، آنکھیں، ماتھا، گال، وہ نرمی سے ہر چیز کو چھوتی گئی پھر پانی کے قطرے اس ننھے وجود کے چہرے پر گرنے لگے تھے۔ پہلے ایک پھر دو پھر تین اور پھر جیسے جھڑی لگ گئی تھی۔

''میری بیٹی دنیا کی سب سے خوبصورت لڑکی ہوگی۔ تم سے بھی زیادہ خوبصورت ہوگی رومی! تم دیکھ لینا۔'' پھر کسی نے اس کے کانوں میں سرگوشی کی تھی۔

''ہاں خوبصورت ہے۔ خوش قسمت نہیں۔ مجھ سے زیادہ خوبصورت ہے۔ مجھ سے زیادہ بدقسمت ہے۔'' بہتے آنسوؤں کے ساتھ وہ بڑبڑانے لگی تھی۔

اس شام سکندر علی بھی آئے تھے۔ بچی کو گود میں لیتے ہوئے ان کی آنکھوں میں بھی آنسو آ گئے تھے۔ ''بہت خوبصورت ہے، ہے نا رومیصہ؟''

انھوں نے آنسو چھپاتے ہوئے دل جوئی کرنے والے انداز میں رومیصہ سے پوچھا تھا۔ وہ خاموش انھیں دیکھتی رہی۔ سکندر علی نے کچھ روپے نکال کر بچی کے ہاتھ کے پاس رکھے تھے اور پھر اسے چوم کر رومیصہ کو تھما دیا۔ اس نے سر اٹھا کر انھیں دیکھا تھا۔ دونوں نے ایک دوسرے کی

آنکھ میں چھپے ہوئے آنسو دیکھ لیے تھے۔ سکندر علی نے اس کا سر تھپتھپایا تھا۔

''بیٹا! گھبراؤ مت۔ سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔'' انھوں نے اسے تسلی دی۔ اس نے سر جھکا لیا تھا۔

تین دن بعد وہ گھر آ گئی تھی۔ سکندر علی کے علاوہ کوئی ہاسپٹل نہیں آتا رہا تھا۔ ذیشان کی پوسٹنگ شیخوپورہ میں تھی، اس لیے وہ بھی نہیں آیا تھا۔ اسے بچی کی پیدائش کا علم بھی نہیں تھا۔ پندرہ دن بعد وہ ویک اینڈ پر گھر آیا تھا تو اسے پتا چلا تھا اور تب وہ سیدھا رومیصہ کے پاس آیا تھا۔ کافی دیر تک بچی کو اٹھائے وہ رومیصہ کے کمرے میں بیٹھا رہا تھا۔ پھر وہ بچی کو کچھ روپے تھما کر افسردگی کے عالم میں کمرے سے باہر آ گیا تھا۔ نبیل کو بیٹی کی بے حد خواہش تھی اور یہ بات وہ بھی جانتا تھا اور اب یہ خواہش پوری ہو چکی تھی مگر نبیل نہیں تھا۔ نبیل کی موت کا زخم جیسے نئے سرے سے ہرا ہو گیا تھا۔

بچی کا نام اس نے ماہم رکھا تھا۔ یہ وہ نام تھا جو نبیل نے منتخب کیا اور رومیصہ نے اپنی بیٹی کو وہی نام دیا تھا۔ ماہم جسمانی طور پر بہت کمزور تھی اور یہ ایک قدرتی سی بات تھی۔ اس کی پیدائش سے پہلے جس حادثے کا سامنا رومیصہ کو کرنا پڑا تھا اور اس کے بعد نہ اس نے خوراک پر دھیان دیا تھا اور نہ ہی اپنی صحت کی اتنی پروا کی تھی اور ظاہر ہے ان سب چیزوں کا اثر ماہم پر ہی ہونا تھا۔ ماہم کی پیدائش کے بعد رفتہ رفتہ رومیصہ دوبارہ گھر گھر کے کاموں میں جت گئی تھی۔ کام کیے بغیر اس گھر سے دو وقت کا کھانا حاصل کرنا بہت مشکل ہو گیا تھا۔ فاخرہ کی نکتہ چینیوں اور طعنوں کا سلسلہ ایک بار پھر وہیں سے شروع ہو گیا تھا اور رومیصہ اب خود کو پہلے سے بھی زیادہ غیر محفوظ خیال کرتی تھی۔ خود کو محفوظ کرنے کے لیے جو واحد طریقہ اس کی سمجھ میں آیا تھا۔ وہ کام کر کے فاخرہ کو خوش کرنا تھا اور یہ وہ کام تھا جو کوئی معجزہ ہی کروا سکتا تھا۔ وہ ان سے بے حد خائف رہتی تھی۔ جس قدر وہ ان کی خدمت کرتی، ان کے آگے پیچھے پھرتی، وہ اتنی ہی شیر ہوتی جا رہی تھیں۔ روز بروز ان کی زبان کے زہر میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ اور وہ بالکل بے بس تھی، اس گھر میں کم از کم وہ اور اس کی بیٹی محفوظ تو تھے۔ اس گھر سے نکل کر وہ کیا کرتے۔ پھر مسئلہ دو وقت کے کھانے کا نہیں تھا۔ کل کو ماہم نے بڑا ہونا تھا۔ اسے تعلیم دلوانا تھی۔ اس کی شادی کرنا تھی اور یہ سب کام وہ خود کیسے کر سکتی تھی۔ اس کے پاس تو اتنی تعلیم بھی نہیں تھی کہ وہ کوئی موزوں جاب ہی کر کے اپنی بچی پال لیتی۔ اسی لیے وہ فاخرہ کی ساری باتیں بے حد صبر کے ساتھ سن لیتی تھی۔

⁂

''بیٹھو ذیشان۔'' سکندر علی نے ذیشان کو بیٹھنے کا اشارہ کیا تھا۔

وہ اپنے اس غیر متوقع بلاوے پر حیران تھا۔ سکندر علی نے اسے شیخوپورہ سے ضروری کام کا کہہ کر بلایا تھا اور وہ اپنے سارے کام چھوڑ کر قدرے پریشانی کے عالم میں لاہور آیا تھا۔ سکندر علی نے فون پر اسے کام کی نوعیت نہیں بتائی تھی اور یہ پہلی بار تھا کہ سکندر علی نے اسے یوں بلوایا تھا۔ اور اب وہ سوالیہ نظروں سے انھیں دیکھتے ہوئے ان کے سامنے بیٹھا تھا۔ سکندر علی بہت سنجیدہ نظر آ رہے تھے۔ اور پتا نہیں کیوں لیکن ذیشان کو ایسا لگتا تھا جیسے وہ اس سے نظریں چرا رہے ہوں۔ اسٹڈی میں کچھ دیر تک عجیب سی خاموشی چھائی رہی تھی۔ پھر ایک گہری سانس لے کر سکندر علی نے اسے دیکھا تھا۔

''جو بات میں تم سے کہنے والا ہوں، اسے بہت سکون سے سننا، اس پر غور کرنا اور پھر مجھے اپنا ردعمل بتانا۔ کسی فوری ردعمل کا اظہار کرنے کی

ضرورت نہیں ہے۔ میں جانتا ہوں جو بات میں کرنے والا ہوں وہ معمولی بات نہیں ہے۔ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ اس سے تمہاری زندگی متاثر ہوگی مگر پھر بھی ذیشان! میں چاہتا ہوں کہ تم رومیصہ سے شادی کرلو۔''

ذیشان کو لگا تھا۔ کسی نے اسے پہاڑ کی چوٹی سے دھکیل دیا تھا۔ سن سے اعصاب کے ساتھ وہ سکندر علی کا چہرہ دیکھتا رہ گیا تھا۔

''زندگی میں ہر کام ہم اپنے لیے کرتے ہیں کچھ کام دوسروں کے لیے بھی کرنا چاہیے۔ تم نبیل سے بہت محبت کرتے تھے۔ اگر کوئی رومیصہ اور ماہم کو تحفظ دے سکتا ہے تو وہ تم ہی ہو۔ تم اس بارے میں اچھی طرح سوچ لو پھر مجھے اپنے فیصلے سے آگاہ کرنا۔''

وہ دھیمے لہجے میں اس سے کہتے گئے تھے اور آہستہ آہستہ وہ اس شاک سے باہر آ گیا تھا۔

''مجھے اس بارے میں کچھ سوچنے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ میرا جواب سوچنے سے پہلے بھی انکار میں ہے اور سوچنے کے بعد بھی انکار میں ہی ہوگا۔ میں حیران ہوں کیا سوچ کر آپ نے مجھ سے ایسی بات کی ہے۔ نبیل بے شک مر گیا ہے مگر میرے لیے رومیصہ آج بھی اس کی بیوی ہے اور میں اسی حوالے سے اس کی عزت کرتا ہوں۔ اور وہ اور اس کی بچی دونوں اس گھر میں محفوظ ہیں اور کسی نئے رشتے کے بغیر وہ زیادہ خوش رہیں گے۔ مگر آپ پتا نہیں پاپا! آپ کیوں ایسی بات سوچ رہے ہیں؟ آپ کیوں ہر ایک کی زندگی میں ایک نیا طوفان لانا چاہتے ہیں۔'' وہ کہتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

''ذیشان! تم جذباتی ہو رہے ہو۔'' سکندر علی نے کچھ کہنے کی کوشش کی تھی اور اس نے ان کی بات کاٹ دی تھی۔

''ہاں میں جذباتی ہو رہا ہوں اور یہ معاملہ ہے ہی جذبات کا۔ آپ نے اس لڑکی کے بارے میں کیا سوچا ہے جو میری منکوحہ ہے۔ آپ نے میرے بارے میں کیا سوچا ہے جو ربیعہ سے محبت کرتا ہے۔ آپ نے رومیصہ کے بارے میں کیا سوچا ہے، جس کے شوہر کو مرے ابھی ایک سال بھی نہیں ہوا، آپ ہر فیصلہ خود کرتے ہیں۔ آپ ہر فیصلہ غلط کرتے ہیں۔'' ذیشان کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔

''میں نے تم سے ربیعہ کو طلاق دینے کا نہیں کہا نہ میں چاہتا ہوں کہ تم اسے طلاق دو۔ میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ تم رومیصہ سے نکاح کرلو۔ وہ یہیں رہے گی ہمارے پاس اس گھر میں۔ اور ربیعہ کو تم اپنے پاس رکھ سکتے ہو۔ جہاں بھی تم رہو۔ میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ تم رومیصہ کو اپنا نام دے دو۔''

سکندر علی کا لہجہ اب پرسکون تھا۔

''پاپا! میں ربیعہ، ماہم اور رومیصہ تاش کے پتے نہیں ہیں جنہیں آپ اپنی مرضی سے Shuffle کر سکتے ہیں ہم انسان ہیں جیتے جاگتے انسان، جذبات اور احساسات والے انسان۔ رومیصہ کے لیے کیسے ممکن ہے کہ وہ مجھے نبیل کی جگہ دے دے۔ میرے لیے کیسے ممکن ہے کہ میں اسے بھابھی سے بیوی بنالوں۔ ربیعہ اپنے شوہر کو کیوں کسی دوسرے کے ساتھ شیئر کرے گی۔ شاید آپ نے سوچا ہی نہیں ہے کہ آپ کیا کرنا چاہتے ہیں۔ نبیل کے مرنے سے صرف رومیصہ کا گھر تباہ ہوا تھا لیکن اب آپ میری اور ربیعہ کی زندگی کیوں برباد کرنا چاہتے ہیں۔ ہم نے تو ابھی اپنا گھر بنایا بھی نہیں۔''

''کتنے دعوے کرتے تھے تم نبیل سے محبت کے۔ اب اس کے لیے کچھ کرنے کا وقت آیا ہے تو تم میں اتنی ہمت بھی نہیں ہے کہ تم ایک قدم بھی آگے بڑھا سکو۔ دنیا میں تم واحد آدمی نہیں ہو جسے یہ قربانی دینے کا کہا گیا ہے۔ تم سے پہلے بھی بہت سے آدمی یہ قربانی دیتے رہے ہیں۔ تم کوئی

ایسا کام نہیں کرنے جا رہے جو تم سے پہلے کسی نے کیا ہی نہ ہو۔'' سکندر علی کا لہجہ ایک دم سخت ہو گیا تھا۔

''ان لوگوں کو قربانی کا شوق ہو گا۔ مجھے نہیں ہے۔ مجھے ایک زندگی ملی ہے کوئی دس بارہ نہیں میں اسے اپنے لیے اور صرف اپنے لیے گزارنا چاہتا ہوں۔ دوسروں کے لیے سولی پر چڑھنے کا مجھے کوئی شوق نہیں ہے۔ آپ کو شوق ہے ہر نارمل چیز کو ابنارمل کرنے کا آپ دوسروں کی زندگی پر مکمل اختیار چاہتے ہیں۔''

''تم بکواس مت کرو۔'' سکندر علی کو اس کی بات سے زیادہ اس کے لہجے پر طیش آیا تھا۔

''میں بکواس نہیں کر رہا پاپا۔ میری خوشیاں چھین کر آپ کو خوشی ہوتی ہے۔ اشعر، احمر، فراز، ولیدان میں سے کسی کو کہیں وہ رومیصہ سے شادی کر لیں آخر میں ہی کیوں کروں۔''

''تم نبیل کے لیے جو احساسات رکھتے تھے وہ نہیں رکھتے۔ تم رومیصہ اور اس کی بچی کے لیے جتنی ہمدردی رکھتے ہو وہ ان کے پاس نہیں ہے۔''

''میں نہیں جانتا تھا کہ یہ احساسات یہ ہمدردی میرے گلے کا پھندہ بن جائے گی۔ اگر مجھے رومیصہ اور ماہم سے ہمدردی ہے تو اس ہمدردی کو باقی رہنے دیں۔ کوئی نیا رشتہ بنا کر اسے ختم کرنے کی کوشش نہ کریں۔ مجھے رشتے نبھانے نہیں آتے ہیں پھر آپ کیوں زبردستی یہ طوق میرے گلے میں ڈال رہے ہیں۔''

تم بہت خود غرض ہو ذیشان تم بے حد خود غرض ہو۔''

''ہاں میں ہوں ہر ایک ہوتا ہے۔ کیا آپ نہیں ہیں؟'' وہ بے حد تلخی سے بات کر رہا تھا۔ سکندر علی اسے صرف دیکھ کر رہ گئے تھے۔ اس کا ردعمل ان کی توقعات کے بالکل برخلاف تھا۔

''ہاں میں بھی ہوں اور اسی لیے میں نے یہ فیصلہ کیا ہے اگر تم میری بات نہیں مانتے تو پھر تمہیں میری جائیداد میں سے کچھ نہیں ملے گا۔''

ان کا لہجہ بے حد سرد تھا۔ ذیشان ہکا بکا سا ان کا چہرہ دیکھتا رہا۔ انھوں نے بات جاری رکھی تھی۔

''میں نے تمہیں بیرون ملک بزنس ایڈمنسٹریشن کی تعلیم دلوانے پر ڈھیروں روپیہ خرچ کیا مگر تم نے واپس آ کر کاروبار میں میرا ہاتھ بٹانے کے بجائے سول سروس جوائن کر لی۔ میں خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا۔ لیکن اب میرا خیال ہے کہ تمہیں اپنے پیروں پر بھی کھڑا ہو جانا چاہیے۔ تمہیں اپنے اخراجات اپنی تنخواہ میں پورے کرنے چاہئیں۔ جیسے سب ملازمت پیشہ لوگ کرتے ہیں۔ جس کاروبار کے چلانے میں تمہارا کوئی حصہ نہیں۔ اس کے منافع میں بھی تمہارا کوئی حصہ نہیں ہونا چاہیے۔ آئندہ میں تمہارے اکاؤنٹ میں کوئی رقم جمع کرواؤں گا اور نہ ہی میری وصیت میں تمہارے لیے کچھ ہو گا۔''

''آپ مجھے بلیک میل کر رہے ہیں۔'' وہ بولا تھا۔

''ہاں بلیک میل کر رہا ہوں۔ کتنی دیر تمہیں پالوں گا۔ دوسروں کی محنت کتنی دیر تمہیں کھلاتا رہوں گا۔ نہیں ذیشان صاحب! اب یہ نہیں ہو گا اگر تم اپنی زندگی اپنی مرضی سے گزارنا چاہتے ہو تو گزارو اور اسے گزارنے کے لیے اپنے وسائل پر انحصار کرو۔''

وہ باپ کے بدلے ہوئے تیور دیکھ کر حیران ہو گیا تھا۔ ''پاپا! آپ میرے ساتھ یہ نہیں کر سکتے۔ میں اپنے حق کے لیے کورٹ میں جاؤں گا۔ جو حصہ جائیداد میں میرا ہے وہ تو رہے گا۔ چاہے میں کاروبار میں حصہ لوں یا نہ لوں۔ آپ مجھے اس سے محروم نہیں کر سکتے۔ میں اپنے حقوق سے اچھی طرح واقف ہوں اور انھیں Defend کرنا بھی جانتا ہوں۔''

''بہت اچھی بات ہے اب تم کورٹ کے ذریعے ہی مجھ سے اپنا حصہ لینا۔ میں ویسے تو تمھیں کچھ نہیں دوں گا۔'' سکندر علی نے حتمی لہجے میں کہا تھا وہ کچھ نہیں بولا تھا۔ کچھ دیر تک انھیں دیکھتے رہنے کے بعد وہ زور سے دروازہ پٹختے ہوئے باہر نکل گیا تھا۔

اس رات گھر میں ایک ہنگامہ برپا ہو گیا تھا۔ فاخرہ جہاں حیران تھیں وہاں بے حد مشتعل بھی تھیں۔ انھیں لگا جیسے سکندر علی کا دماغ خراب ہو گیا ہے اور انھوں نے برملا اس کا اظہار کیا تھا۔ مگر سکندر علی پر کسی بات کا کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔ انھوں نے بہت سوچ سمجھ کر یہ فیصلہ کیا تھا اور کوئی بھی انھیں اپنے فیصلے سے ہٹا نہیں سکتا تھا۔ وہ جانتے تھے کہ ہر ایک اس فیصلے کی شدید مخالفت کرے گا۔ اسی لیے وہ اس ہنگامے سے زیادہ متاثر نہیں ہوئے تھے۔ انھوں نے فاخرہ کو بھی اس بات سے آگاہ کر دیا تھا کہ وہ ذیشان کو اپنی جائیداد میں سے کچھ نہیں دیں گے اور فاخرہ کا خون کھول کر رہ گیا تھا۔ ربیعہ ان کی بھانجی تھی اور ان ہی کی خواہش پر ذیشان نے ایک سال پہلے اس سے نکاح کیا تھا اور اگر نبیل کی موت نہ ہوئی ہوتی تو اب تک ربیعہ کی رخصتی ہو چکی ہوتی۔ فاخرہ جانتی تھیں کہ صرف تنخواہ ذیشان کا شادی سے پہلے گزارہ نہیں ہوتا تو شادی کے بعد کیسے ہوگا اور اگر اسے جائیداد لینی تھی تو رومیصہ سے شادی کرنی تھی۔

اور یہ بات ان کے لیے ناقابل برداشت تھی۔ جو لڑکی نبیل کی ضد پر ان کے گھر آئی تھی اور جسے وہاں سے نکالنے کے لیے وہ ہر ممکن کوشش کر رہی تھیں۔ وہ ایک بار پھر سے ان کے گھر پر جڑ پکڑ جائے یہ وہ کیسے برداشت کر سکتی تھیں۔ اور مخالفت کرنے والی صرف وہ نہیں تھی اس گھر میں کوئی ایسا فرد نہیں تھا جو سکندر علی کی حمایت کر رہا ہو اور یہ مخالفت کھلے عام ہو رہی تھی حتیٰ کہ ستارہ اور عالیہ بھی خاموش نہیں رہی تھیں۔ مگر وہ اپنی بات پر قائم رہے تھے بلکہ اگلی صبح انھوں نے وکیل کو بھی گھر بلوا لیا تھا۔ اور وکیل نے ان کی پہلے سے تیار شدہ وصیت پڑھ کر سنا دی تھی باقی سب کو ان کا حصہ دیا گیا تھا ماسوائے ذیشان کے۔ اور اسی وجہ سے ذیشان کے بڑے اور چھوٹے بھائیوں نے اطمینان کا سانس لیا تھا۔ کم از کم ان سے کسی قسم کی حق تلفی نہیں کی گئی تھی۔ مگر وصیت میں ذیشان کے بارے میں سرے سے کوئی ذکر ہی نہیں تھا۔

وہ وصیت ختم ہونے پر سرخ چہرے کے ساتھ ایک لفظ کہے بغیر وہاں سے چلا گیا تھا۔ مگر کبوتر کی طرح آنکھیں بند کر لینے سے حقیقت نہیں بدلتی۔ اسے بھی حقیقت کا سامنا کرنا تھا۔ ربیعہ کو اس نے اس سارے مسئلے سے آگاہ کر دیا تھا اور اس کے گھر والے اتنے مشتعل ہو گئے تھے کہ انھوں نے ذیشان سے خلع کا مطالبہ کر دیا تھا۔ اس نے ربیعہ سے کہا تھا کہ وہ اپنی جائیداد سے دستبردار ہونے کو تیار ہے لیکن وہ رومیصہ سے شادی نہیں کرے گا مگر یہ بات ربیعہ کو قابل قبول نہیں تھی۔

''آخر تم کس جرم کی سزا بھگتو گے؟ آخر کیوں اپنا حصہ چھوڑو۔ نہیں ذیشان! قطعی نہیں۔ تمھیں اپنے فادر سے اس معاملے میں جھگڑنا ہوگا۔

ان سے کہنا ہوگا کہ وہ تمہاری حق تلفی نہ کریں۔ وہ کیوں یہ سب کر رہے ہیں۔ کیا ہو گیا ہے انھیں؟''

ربیعہ کے پاس ان باتوں کے علاوہ کچھ نہیں تھا اور یہ بیان، تقریریں اور مطالبے ذیشان کا مسئلہ حل نہیں کر سکتے تھے۔ وہ ربیعہ کے رویے سے کچھ مایوس ہو گیا تھا، گو دونوں کے درمیان روایتی قسم کے عہد و پیمان تو نہیں ہوئے تھے کیونکہ یہ رشتہ فاخرہ کی مرضی سے طے پایا تھا۔ مگر پھر بھی قدرتی طور پر ذیشان نے اس سے کچھ توقعات وابستہ کر لی تھیں جنھیں بری طرح ٹھیس لگی تھی۔

''اگر میں صرف اس سے شادی کرنے کے لیے اپنا حصہ چھوڑنے پر تیار ہوں تو یہ کیوں تھوڑی قربانی نہیں دے سکتی، اسے اپنی خواہشات کو ہی کسی حد تک کنٹرول کرنا ہوگا۔ کیا یہ میرے لیے یہ بھی نہیں کر سکتی۔ آخر اس کے نزدیک آسائشات مجھ سے زیادہ اہم کیوں ہیں؟ اسے میری ضرورت ہے مگر باقی سب کچھ بھی چاہیے اور اس ''باقی سب کچھ'' کے بغیر اس کے نزدیک میری کیا اہمیت ہے؟''

اس سے ہر ملاقات یا فون پر ہونے والی ہر گفتگو کے بعد ذیشان کا ذہن سوالوں میں الجھتا جاتا تھا۔ وہ ربیعہ پر دل و جان سے فدا نہیں تھا۔ لڑکیوں میں اس کی دلچسپی شروع سے نہیں تھی۔ اس کے اور مشاغل تھے اور اس معاملے میں وہ اور نبیل ایک دوسرے کے بالکل برعکس تھے۔ نبیل کو لڑکیوں میں جتنی دلچسپی تھی وہ لڑکیوں سے اتنا ہی دور بھاگتا تھا۔ شادی کے معاملے میں شروع سے ہی اس کی رائے یہ تھی کہ وہ ارینج میرج کرے گا کیونکہ وہ ہی سب سے بہتر ہوتی ہے۔ نبیل اکثر اس کی اس بات کا مذاق اڑایا کرتا تھا۔

''اگر تمہاری ارینج میرج نہ ہوئی تو کبھی شادی ہوگی ہی نہیں کیونکہ تمھیں کبھی کسی لڑکی سے عشق نہیں ہو سکتا۔''

وہ نبیل کی بات سنتا اور بس مسکرا دیتا۔ ربیعہ سے نکاح کے بعد دونوں اکثر ملتے رہتے تھے اور زندگی میں پہلی اور اپنی طرف سے آخری بار اس کے دل میں کسی لڑکی کے لیے نرم گوشہ پیدا ہونا شروع ہو گیا تھا۔ مگر اب وہ عجیب صورت حال میں گرفتار ہو گیا تھا۔ وہ دوسری شادی کو ہی سرے سے مناسب نہیں سمجھتا تھا اور کہاں یہ کہ نبیل کی بیوی سے شادی۔ وہ رومیصہ کے بارے میں نبیل کے جذبات اور احساسات سے بہت اچھی طرح آگاہ تھا اور اب اس لڑکی سے سکندر علی اس کی شادی کروانا چاہتے تھے۔

سکندر علی سے اس کے تعلقات پہلے بھی کوئی زیادہ خوشگوار نہیں تھے۔ اور تعلقات میں اس کشیدگی کا آغاز تب ہوا تھا جب اس نے بی بی اے کے لیے باہر جانے سے انکار کر دیا تھا اس نے تب صاف صاف سکندر علی سے کہہ دیا تھا کہ اسے بزنس میں کوئی دلچسپی نہیں ہے اور نہ ہی وہ اسے کیریئر بنانا چاہتا تھا۔ مگر سکندر علی اس کی بات پر بے حد ناراض ہوئے تھے وہ باقی بیٹوں کی طرح اسے بھی بزنس میں لانا چاہتے تھے۔ نبیل نے اس وقت ذیشان کو سمجھا بجھا کر امریکہ آنے پر رضا مند کر لیا تھا۔

''بعد میں تم بے شک بزنس نہ کرنا۔ مگر فی الحال اس میں تعلیم حاصل کرنے میں کیا حرج ہے؟''

اس نے ذیشان کو قائل کر لیا تھا اور نہ چاہتے ہوئے بھی اس نے بی بی اے کر لیا تھا۔ مگر تعلیم مکمل کرنے کے بعد بزنس جوائن کرنے کے بجائے وہ سی ایس ایس کا امتحان پاس کر کے پولیس سروس میں آ گیا تھا اور سکندر علی نے اس بار ایک ہنگامہ برپا کر دیا تھا۔ انھوں نے اس کی تعلیم پر روپیہ اس لیے خرچ کیا تھا کہ بعد میں وہ بزنس میں ان کا ہاتھ بٹائے مگر وہاں تو معاملہ ہی الٹ ہو گیا تھا۔ وہ نہ صرف ان کے بزنس میں نہیں آنا چاہتا تھا

بلکہ اس نے ان کی کھلم کھلا حکم عدولی کرتے ہوئے جاب کر لی تھی اور یہ بات انھیں ہضم نہیں ہوئی تھی۔ ایک بار پھر نبیل اس کی مدد کو آیا تھا اور اس نے باپ اور ذیشان کے درمیان نہ صرف صلح کروائی تھی بلکہ سکندر علی کو اس بات پر منا لیا تھا کہ وہ ذیشان کو جاب کرنے دیں گے۔

بظاہر دونوں کے درمیان تعلقات نارمل ہو گئے تھے، مگر سکندر علی اب بھی اس کی جاب کو پسند نہیں کرتے تھے اور ان کی یہ ناپسندیدگی اسے ناپسند تھی۔ نبیل کی موت نے اور رومیصہ کے لیے ہمدردی نے وقتی طور پر دونوں کے پرانے اختلافات نہ صرف ختم کر دیے تھے بلکہ دونوں کو ایک دوسرے کے کافی قریب کر دیا تھا۔ مگر اب سکندر علی کے اس مطالبے نے ایک بار پھر دونوں کو ایک دوسرے سے دور کر دیا تھا۔

رومیصہ کو اس سارے معاملے کے بارے میں بالکل علم نہیں تھا۔ سکندر علی نے اس سے کوئی بات نہیں کی تھی۔ لیکن فاخرہ اور گھر کے دوسرے افراد کے رویے کی بڑھی ہوئی تلخی نے اسے پریشان کر دیا تھا۔ فاخرہ جس طرح اب اسے طعنے دینے لگی تھیں۔ پہلے نہیں دیتی تھیں عالیہ اور ستارہ نے بھی اب اسے جھڑکنا شروع کر دیا تھا۔ جبکہ اس سے پہلے اگر وہ اس سے بات نہیں کرتی تھیں تو اسے جھڑکتی بھی نہیں تھیں۔ اس تلخی کی وجہ زیادہ دیر تک اس سے پوشیدہ نہ رہ سکتی تھی۔ گھر کی ایک ملازمہ نے جب سکندر علی اور گھر کے دوسرے افراد کے درمیان ہونے والے جھگڑے کی وجہ اسے بتائی تھی تو وہ ہکا بکا رہ گئی تھی۔

''کیا مجھ پر آنے والے عذاب کبھی ختم نہیں ہوں گے؟'' اس نے بے بسی سے سوچا تھا۔ اس رات وہ ماہم کو گود میں لیے بے تحاشا روئی تھی۔

''پاپا! مجھے آپ سے کچھ بات کرنی ہے۔'' وہ پہلی بار بڑے حوصلے اور ہمت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اگلی شام سکندر علی کے سامنے جا کھڑی ہوئی تھی۔ چند لمحوں تک اس کا چہرہ دیکھتے رہنے کے بعد انھوں نے اسے بیٹھنے کے لیے کہا تھا۔ شاید وہ جاننا چاہتے تھے کہ وہ کیا بات کرنا چاہتی ہے۔

''پاپا! مجھے ذیشان سے شادی نہیں کرنی ہے۔'' اس نے بیٹھتے ہی کہہ دیا تھا۔

وہ اس کی بات پر کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد بڑے پرسکون انداز میں بولے تھے۔ ''کیوں؟''

''مجھے اب کسی سے بھی شادی نہیں کرنی اور ذیشان تو میرے لیے بھائیوں کی طرح ہے۔''

''لیکن وہ تمہارا بھائی نہیں ہے۔'' وہ اب بھی بے حد پرسکون تھے۔

''پاپا وہ نبیل کا بھائی ہے اور میں نے بھی اسے ہمیشہ بھائی ہی سمجھا ہے۔''

''رومیصہ! تمھارے سمجھنے سے رشتے نہیں بنیں گے۔ رشتہ وہی ہوتا ہے جو اصل میں ہے۔ تمہارا بھائی نہ وہ پہلے تھا نہ اب ہے۔''

''پاپا! مجھے شادی کرنا ہی نہیں ہے۔ شادی ایک دفعہ ہی ہوتی ہے اور میری شادی ہو چکی ہے، اب اگر نبیل نہیں رہا تو کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ میں دوسری شادی کر لوں۔ نبیل کیا سوچے گا میرے بارے میں۔'' وہ بات مکمل نہیں کر سکی اور رونے لگی۔

''جو لوگ مر جاتے ہیں ان کی پسند ناپسند کا خیال رکھنے کے بجائے زندہ لوگوں کی خواہشات کا خیال رکھنا چاہیے۔ تم کم عمر ہو۔ جذباتی ہو۔ بہت سی باتیں ابھی تمھارے دماغ میں نہیں آئیں گی۔ کچھ عرصہ کے بعد سوچو گی۔ ساری زندگی تم نبیل کے نام کے سہارے نہیں گزار سکتیں۔ گزارنا

چاہو گی تب بھی نہیں گزار سکو گی۔'' سگار سلگاتے ہوئے وہ کہتے گئے تھے۔

''پاپا! میں گزار سکتی ہوں۔'' اس نے بڑے یقین سے کہا تھا۔

''نہیں تم نہیں گزار سکتیں۔ یہ چند مہینوں یا چند سالوں کی بات نہیں ہے۔ یہ ساری زندگی کی بات ہے۔

''میرے پاس ماہم ہے۔ میں اس کے سہارے زندگی گزار لوں گی۔''

''اور ماہم کس کے سہارے زندگی گزارے گی؟ تمہارا سہارا تو اتنا مضبوط ہے نہیں اور زندگی میں بہت سی چیزوں کی ضرورت پڑتی ہے۔ سہارے کی بیساکھیوں کے علاوہ بھی۔ ماہم کو تم کیا دو گی؟ باپ نہیں ہوگا۔ بہن بھائی نہیں ہوگا۔ اچھی جگہ شادی کیسے کرو گی؟ اور فرض کیا اس کی کہیں شادی کر دیتی ہو تو پھر تم کہاں رہو گی؟'' ان کے انداز میں عجیب سی سرد مہری تھی۔

''پاپا! آپ ہیں نا۔''

''ہاں میں ہوں مگر کب تک؟ میرے مرنے کے بعد تم کیا کرو گی۔ میری زندگی میں اس گھر میں تمہاری کوئی اہمیت ہے نہ عزت۔ میرے مرنے کے بعد کیا ہوگا۔ وہ تمہیں اس گھر سے نکال دیں گے۔ پھر ماہم کو لے کر کہاں جاؤ گی؟ تمہارے کون سے ماں باپ ہیں جو تمہیں سر چھپانے کو جگہ دیں گے اور اپنے پیروں پر کھڑا ہونے کے لیے تعلیم کی ضرورت ہوتی ہے۔ جو تمہارے پاس نہیں ہے۔ پھر دنیا میں کیسے مقابلہ کرو گی۔''

وہ بڑی بے رحمی سے حقیقت بتاتے گئے تھے۔

''پاپا! میں ذیشان سے شادی نہیں کر سکتی۔ میں اس کی زندگی برباد نہیں کر سکتی۔ مجھے کوئی حق نہیں ہے کہ میں اس کی اور ربیعہ کی زندگی میں زہر گھولوں۔ پاپا! میں یہ نہیں کر سکتی۔ آخر انہیں کیوں سزا ملے۔'' وہ بے چارگی سے کہہ رہی تھی۔

''اس شادی سے کسی کی زندگی برباد نہیں ہوگی بلکہ تمہاری اور ماہم کی زندگی سنور جائے گی۔ میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ تمہیں اور ماہم کو ذیشان کا نام مل جائے۔ کم از کم پھر تمہیں اس گھر سے کوئی نہیں نکال پائے گا اور ماہم کا مستقبل بھی محفوظ ہو جائے گا اور ذیشان اور ربیعہ کی زندگی میں کوئی زہر نہیں گھولے گا۔ وہ دونوں اکٹھے رہ سکتے ہیں۔ میں اس سے یہ نہیں کہہ رہا ہوں کہ وہ ربیعہ کو طلاق دے دے۔ میں تو صرف یہ چاہتا ہوں کہ وہ تم سے بھی نکاح کر لے اور یہ ایسا کون سا انوکھا کام ہے جو پہلے کبھی کسی آدمی نے نہیں کیا۔ مرد چار چار شادیاں بھی کرتے ہیں اور اچھی زندگی گزارتے ہیں۔ تم لوگ بھی خوش رہ سکتے ہو۔''

''پاپا میں......''

''رومیصہ! اس بارے میں جو تم نے کہنا تھا وہ میں نے سن لیا ہے۔ اس سے زیادہ بحث کی گنجائش نہیں ہے، زندگی کے بارے میں تمہاری اپروچ حقیقی نہیں ہے۔ بیٹی کے بجائے اگر تمہارا بیٹا ہوتا تو شاید میں اس شادی پر اصرار نہ کرتا مگر تم ایک بیٹی کی ماں ہو۔ جو باتیں تمہیں میں سمجھا رہا ہوں اگر تمہارے ماں باپ ہوتے تو وہ سمجھاتے پھر تمہیں یہ خیال کبھی نہ آتا کہ شاید میں تم پر ظلم کر رہا ہوں۔ زندگی ایک حقیقت کا نام ہے۔ اسے تصورات کے سہارے نہیں گزارا جا سکتا۔ جو شخص اب زندہ نہیں ہے اس کے بارے میں مت سوچو، تمہارا کوئی اقدام اس پر اثر انداز نہیں ہو سکتا۔ لیکن

تمھاری بیٹی جو زندہ ہے، اس کے بارے میں سوچو، جس کی پوری زندگی، پورے مستقبل کا دارو مدار تمھارے فیصلوں پر ہے اب تم جاؤ اور نبیل کو ذہن سے نکال کر ان سب باتوں کے بارے میں سوچو اور ایک بات ضرور یاد رکھنا اگر تم مرجاتیں تو نبیل بھی دوسری شادی کر لیتا۔ تمھارے تصورات کے سہارے زندگی نہیں گزارتا۔"

انھوں نے اسے کچھ کہنے کے قابل نہیں چھوڑا تھا۔ ان کے پاس دلائل تھے۔ وزنی دلائل، دل جو نہیں مانتا تھا وہ باتیں اس نے سن لی تھیں۔ بہتے آنسوؤں کے ساتھ وہ اٹھ کر وہاں سے آ گئی تھی۔

پہلے ذیشان مہینے میں دو تین بار گھر آ جایا کرتا تھا۔ مگر اس بار وہ پورا مہینہ گھر نہیں آیا تھا، فاخرہ اسے فون کر کر کے تنگ آ گئی تھیں اور پھر وہ خود اس کے پاس شیخوپورہ گئی تھیں۔

"پاپا نے میرا اکاؤنٹ فریز کروا دیا ہے۔" انھیں دیکھتے ہی رسمی سلام دعا کے بعد اس نے اطلاع دی تھی۔ وہ کیا دیکھنا چاہتے ہیں یہ کہ میں گڑگڑاتا ہوا ان کے پاس آؤں۔ ان سے کہوں کہ وہ مجھ پر یہ ظلم نہ کریں۔ ان سے پیسوں کی بھیک مانگوں۔ اس نے تلخ لہجے میں کہا تھا۔

"تم گھبراؤ مت تمھیں جتنے روپوں کی ضرورت ہو۔ تم مجھ سے لے لیا کرو۔" فاخرہ نے اسے تسلی دینے کی کوشش کی تھی مگر وہ ان کی بات پر بھڑک اٹھا تھا۔

"آپ سے کیوں لوں؟ ان سے کیوں نہیں۔ میں بھیک تو نہیں مانگ رہا۔ اپنا حصہ چاہتا ہوں۔ کیا باقیوں کو نہیں دیتے وہ؟ کیا انھیں بھی آپ دیتی ہیں۔"

"تو مجھے بتاؤ۔ میں کیا کروں، جتنا انھیں سمجھا سکتی تھی سمجھا چکی ہوں مگر وہ شخص تو دل میں ٹھان کے بیٹھا ہے کہ جو اس نے کہا ہے وہی ہوگا۔ آخر میں کیا کروں تم خود ایک بار پھر ان سے بات کرو۔" فاخرہ نے بے چارگی سے کہا تھا۔

"میں کیا بات کروں اور آخر کیوں کروں وہ آخر کیوں میرے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ گئے ہیں، انھوں نے جیسے تہیہ کر لیا ہے کہ مجھے وہ کبھی چین سے نہیں رہنے دیں گے۔"

اس پر ان کی بات کا اثر نہیں ہوا تھا۔ مگر فاخرہ تو اسے قائل کرنے آئی تھیں۔ اسی لیے انھوں نے کئی گھنٹے بحث کر کے ایک بار پھر اسے اس مسئلے پر باپ سے بات کرنے پر آمادہ کر لیا تھا۔

اگلی صبح وہ ماں کے ساتھ ہی لاہور آیا تھا۔ دونوں نے ایک بار پھر سکندر علی کو سمجھانے کی کوشش کی تھی اور اس بحث و مباحثہ کا نتیجہ یہ نکلا تھا کہ سکندر علی نے اعلان کیا تھا۔

"ٹھیک ہے۔ تم اس سے شادی نہ کرو، تب پھر میں نبیل اور اپنے حصے کی جائیداد ماہم کے نام لکھوا دیتا ہوں۔ آخر مجھے بھی تو اس کا تحفظ چاہیے۔"

فاخرہ اس اعلان پر سکتے میں آ گئی تھیں اور ذیشان سرد نظروں اور بے تاثر چہرے کے ساتھ انھیں دیکھتا رہ گیا تھا۔ وہ مزید کچھ کہے بغیر کمرے سے نکل گئے تھے۔

"دیکھا آپ نے۔ میں نے آپ سے کہا تھا نا کہ ان سے بات کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ یہ کبھی اپنی سوچ بدلتے ہیں نہ فیصلہ۔ مگر آپ کو شوق تھا کہ میں اپنا وقت ضائع کروں۔"

وہ بھی یہ کہہ کر اٹھ کر چلا گیا تھا۔ یک دم فاخرہ کو خطرے کا احساس ہونے لگا تھا۔ پہلی بار انھوں نے کچھ سنجیدگی اور تحمل سے اس معاملے پر غور کیا تھا۔ پہلے اگر ذیشان کو حصہ نہیں ملتا تھا تو بھی وہ جائیداد سکندر علی کے نام ہی رہتی تھی اور وہ انھیں کے پاس رہتی، لیکن اب سکندر علی کے اس اعلان نے انھیں پریشان کر دیا تھا۔ نبیل اور ذیشان کے ساتھ ساتھ انھیں سکندر علی کی جائیداد بھی ہاتھ سے جاتی ہوئی دکھائی دی تھی۔

اس معاملے کے اس نئے رخ پر انھوں نے اپنے باقی بیٹوں سے بات کرنا بہتر سمجھا اور پہلی دفعہ وہ بھی حقیقی طور پر پریشان ہو گئے تھے۔ کئی دن تک اس مسئلے پر گھر میں زبردست قسم کی بحث ہوتی رہی اور پھر سب نے ہار مان لی تھی۔ انھوں نے اب ذیشان پر دباؤ ڈالنا شروع کر دیا کہ وہ سکندر علی کی بات مان لے۔ تھوڑی قربانی دے دے اور وہ اس مطالبے پر تھے سے اکھڑ گیا تھا۔

"آخر ہر ایک مجھ سے ہی کیوں کہہ رہا ہے۔ خود کوئی ایثار کیوں نہیں کرتا۔ خود کسی کو قربانی کا خیال کیوں نہیں آتا۔ میری زندگی کیوں خراب کرنا چاہتے ہیں سب لوگ۔" وہ ہر بار ان کے اصرار پر یہی کہتا۔

"ذیشان! تمہاری تھوڑی سی بے وقوفی اور جلد بازی نہ صرف تمھیں نقصان پہنچائے گی بلکہ ہم بھی محفوظ نہیں رہیں گے۔ جذبات سے نہیں ہوش سے کام لو۔ دماغ کو استعمال کرو، روپے کے بغیر تم زندگی کیسے گزارو گے اپنی فیملی کو کس طرح رکھو گے۔ چند ہزار روپے میں ان کے لیے کیا کرو گے۔ پولیس کی اس جاب میں عزت کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔ اور اگر یہ فرض کر بھی لیں کہ چلو تم اپنی تنخواہ میں گزارہ کرنے کا فیصلہ کر لیتے ہو تو پھر اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ ربیعہ تمہارا ساتھ دے گی۔ وہ مشکلات برداشت کر لے گی۔ کچھ عقل سے کام لو۔ رومیصہ سے شادی کر لو، اسے پڑا رہنے دینا یہاں جیسے وہ اب ہے۔ تم ربیعہ کو ساتھ رکھنا۔ پاپا کو بھی اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے وہ بھی خوش ہو جائیں گے اور یہ سارا مسئلہ بھی ختم ہو جائے گا۔"

اشعر اور احمر وقتاً فوقتاً اسے فون پر سمجھاتے رہتے تھے۔ ذہنی طور پر وہ بے حد ڈسٹرب ہو کر رہ گیا تھا۔ صرف سکندر علی کا دباؤ ہوتا تو شاید وہ کبھی ان کے سامنے نہ جھکتا لیکن اب دباؤ ڈالنے والا صرف ایک نہیں تھا پورا گھر اسے اس شادی پر مجبور کر رہا تھا۔

دوسری طرف ربیعہ تھی جو کسی صورت اس بات پر تیار نہیں تھی کہ وہ رومیصہ سے شادی کر لے یا اپنی جائیداد کا حصہ چھوڑ دے۔ فاخرہ نے بھی اس معاملے میں اس کی مدد نہیں کی تھی شاید وہ کر بھی نہیں سکتی تھیں ربیعہ ان کی بات سننے پر تیار تھی نہ اس کے گھر والے اور فاخرہ رشتوں کی خاطر دولت کو قربان نہیں کر سکتی تھیں۔

انھوں نے ربیعہ کے گھر والوں سے کہہ دیا تھا کہ اگر ربیعہ رومیصہ کو ذیشان کی دوسری بیوی کے طور پر قبول کرنے کو تیار نہیں تو پھر وہ طلاق

لے لے اور ربیعہ کے گھر والے یہی چاہتے تھے۔ لیکن اب مسئلہ ذیشان کا تھا جو کسی طور اسے طلاق دینے پر تیار نہیں تھا وہ کسی کو قائل نہیں کر پا رہا تھا نہ گھر والوں کو نہ ربیعہ اور اس کے گھر والوں کو۔

ربیعہ نے خلع کے لیے کورٹ میں کیس کر دیا تھا۔ اور نہ چاہنے کے باوجود اس نے طلاق دے دی تھی۔ اسے اب یہ گوارا نہیں ہوا کہ وہ ربیعہ کی ناپسندیدگی کے باوجود اسے بیوی بننے پر مجبور کرے۔

کورٹ میں کیس لڑنے کے بجائے اس نے بے حد خاموشی سے اسے طلاق اور حق مہر کا چیک بھجوا دیا تھا۔ مگر اپنی پوری فیملی کے لیے اس کے دل میں ہمیشہ کے لیے گرہ پڑ گئی تھی۔ پھر ایک شام بڑی سادگی سے اس کا نکاح رومیصہ سے ہو گیا تھا۔ نکاح نامے پر دستخط کرتے ہوئے وہ شرمندگی اور طیش کی انتہا پر تھا۔ گھر کے سب افراد اسے تماشائی لگ رہے تھے۔ نکاح کے پیپرز سائن کرتے ہی وہ سب کے روکنے کے باوجود سیدھا شیخو پورہ آ گیا تھا۔

⁂

اس شرمندگی اور افسردگی کو محسوس کرنے والا وہ واحد نہیں تھا۔ رومیصہ بھی اتنی ہی شرمسار تھی۔ وہ مرد تھا۔ اختیارات رکھتا تھا۔ مجبور نہیں تھا۔ خودمختار تھا پھر بھی وہ گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہو گیا تھا اور وہ تو بہر حال ایسی عورت تھی جس کے پاس کوئی اختیار نہیں تھا نہ اپنی پسند بتانے کا نہ اپنی بات منوانے کا۔ سکندر علی نے نکاح سے ایک ہفتہ قبل رسمی طور پر اسے اطلاع دے دی تھی اور وہ جیسے سر کے بل ہوا میں معلق ہو گئی تھی۔ انکار کی کوئی گنجائش نہیں تھی اور وہ یہ بھی جانتی تھی کہ یہ شادی ذیشان کی مرضی کے خلاف ہو رہی ہے۔

وہ ربیعہ کی طلاق کے بارے میں بھی جانتی تھی اور اس کی ندامت تھی کہ بڑھتی ہی جا رہی تھی۔ نکاح کے بعد ستارہ نے سرد مہری سے اسے نبیل کا کمرہ چھوڑ کر ذیشان کے کمرے میں منتقل ہو جانے کو کہا تھا۔ کمرے کو چھوڑنے سے پہلے وہ بڑی دیر تک ایک ایک چیز کو دیکھتی رہی۔ یہ وہ کمرہ تھا جہاں ایک سال پہلے کوئی اسے بڑی چاہ سے لایا تھا۔ جہاں انھوں نے ایک دوسرے سے بے پناہ وعدے کیے تھے لاتعداد خواب دیکھے تھے، بے شمار منصوبے بنائے تھے۔ ابھی بھی جیسے فضا میں نبیل کی باتوں اس کی آواز کی بازگشت تھی۔

نبیل کے کمرے سے ذیشان کے کمرے تک آتے آتے اسے جیسے صدیاں لگ گئی تھیں۔ ہر قدم جیسے پل صراط پر پڑ رہا تھا۔

نبیل اور ذیشان کے کمرے میں اتنا ہی فرق تھا جتنا ان کی فطرت میں۔ نبیل کے کمرے کے کارپٹ سے لے کر لہراتے ہوئے پردوں تک سے اس کے اچھے ذوق کا اظہار ہوتا تھا۔ ہر چیز میں ایک نفاست، نزاکت، ایک دلکشی تھی۔ ذیشان کا کمرہ آسائشات کے اعتبار سے تو نبیل کے کمرے جیسا ہی تھا مگر وہاں پڑی ہوئی کسی چیز سے بھی یہ اندازہ نہیں ہوتا تھا کہ اس چیز کے انتخاب میں ذاتی دلچسپی لی گئی تھی اور شاید دلچسپی لی بھی نہیں گئی تھی۔ ہو سکتا ہے اس کی وجہ یہ ہو کہ وہ بہت کم ہی وہاں آیا کرتا رہا تھا۔ اسے لگ رہا تھا جیسے اسے جنت سے زمین پر پھینک دیا گیا تھا اور دنیا میں اب بھی کوئی نہیں تھا۔

⁂

شیخو پورہ جا کر بھی ذیشان کی بے چینی میں کمی نہیں ہوئی تھی۔ وہ ایک ہفتے کی چھٹی لے کر مری چلا گیا تھا۔ سکون یہاں بھی نہیں تھا مگر کم از کم یہاں اس تک کوئی آ نہیں سکتا تھا۔ وہ شروع سے ہی بہت کم گو تھا۔ نبیل کے برعکس وہ بہت کم باتیں کرتا تھا اور جب کرتا تھا تو دلائل کے ساتھ سنجیدگی اس کے مزاج کی ایک اور خصوصیت تھی۔ ہر بات کے بارے میں اس کا اپنا انداز فکر تھا۔ باپ سے اسے ہمیشہ بے توجہی کی شکایت رہی اور شاید یہی وجہ تھی کہ اس نے لاشعوری طور پر بزنس کے بجائے جاب کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

وہ اپنی ذات کو نوٹ کمانے والی مشین بنانا نہیں چاہتا تھا۔ یہ اور بات تھی کہ جاب کا انتخاب کرتے ہوئے وہ اس جاب کا انتخاب کر بیٹھا جس میں نو سے پانچ والی کوئی روٹین نہیں تھی مگر پھر بھی وہ ناخوش نہیں تھا، وہ پولیس کی جاب کو انجوائے کر رہا تھا۔

جاب اگرچہ اس کی مالی ضروریات پوری کرنے کے لیے ناکافی تھی۔ مگر اسے اس کی زیادہ پروا نہیں تھی۔ سکندر علی اس کے اکاؤنٹ میں اچھی خاصی رقم جمع کرواتے رہتے تھے اور باپ سے چھوٹے موٹے اختلافات کے باوجود اس کی زندگی بہت سکون سے گزر رہی تھی اور اب سکون نام کی کوئی چیز اس کے پاس نہیں رہی تھی۔ مسئلہ صرف یہ نہیں تھا کہ رومیصہ کی وجہ سے اسے ربیعہ کو طلاق دینی پڑی تھی نہ ہی مسئلہ یہ تھا کہ وہ نبیل کی بیوی تھی۔

پرابلم یہ تھا کہ وہ اس کے بارے میں نبیل کے سارے احساسات اور جذبات سے واقف تھا۔ اسے پہلی بار دیکھنے سے لے کر شادی کے بعد تک نبیل اس کے بارے میں اپنے ہر احساس کو اس کے ساتھ شیئر کرتا رہا تھا اور اب...... اب وہ اس کی بیوی تھی اور اس کے بارے میں نبیل کی کہی گئی ہر بات اسے یاد آنے لگی تھی اور اس کا بس نہیں چلتا تھا کہ خودکشی کر لے۔ وہ اس کے لیے اب بھی نبیل کی بیوی تھی جسے وہ چند ماہ پہلے تک بھابھی کہتا رہا تھا۔

مری میں ایک ہفتہ رہنے کے دوران وہ سارا دن آوارہ پھرتا رہتا تھا اور ذہن میں آنے والی سوچیں بھی اتنی ہی آوارہ تھیں۔ جس چیز کے بارے میں وہ نہ سوچنا چاہتا، وہ اس کے دماغ سے چپک کر رہ جاتی اور جس چیز کے بارے میں وہ سوچنا چاہتا اسے دماغ میں لانے میں کئی گھنٹے لگ جاتے۔

پہلے اسے صرف سکندر علی سے شکایت تھی اب اسے وہ سب ایک ہی تھالی کے چٹے بٹے لگتے۔ گھر والوں کے خلاف اس کے دل میں ایک عجیب سی کدورت پیدا ہو گئی تھی۔ اسے یوں لگتا جیسے سب نے مل کر اس کے ساتھ فراڈ کیا ہے۔ اسے دھوکا دیا ہے اور یہ احساس دن بدن شدت اختیار کرتا گیا تھا۔

ایک ہفتہ مری میں رہنے کے بعد وہ وہاں سے سیدھا لاہور آیا تھا اور آتے ہی اس نے سکندر علی سے اپنے حصے کی جائیداد کا مطالبہ کر دیا تھا، سکندر علی کو شاید اس کا اندازہ تھا اس لیے انھوں نے پہلے ہی کاغذات تیار کروا رکھے تھے۔ وہ بڑی سرد مہری سے کاغذات ان سے لے آیا تھا۔ واپس شیخو پورہ جانے سے پہلے وہ اپنے بیڈ روم میں آیا تھا۔ کمرے میں داخل ہوتے ہی ایک کونے میں پڑے ہوئے بے بی کاٹ نے کمرے میں ہونے والی تبدیلی کے بارے میں اسے بتا دیا تھا۔ اس کا دل چاہا تھا وہ ماہم کو اٹھا کر کھڑکی سے باہر پھینک دے وہ نہ ہوتی تو شاید یہ سب بھی نہ ہوتا۔ اسے یوں قربانی کا بکرا نہ بنایا جاتا۔ جلتی آنکھوں کے ساتھ وہ ہونٹ بھینچے ہوئے ڈریسنگ روم میں چلا گیا۔

کپڑے بدلنے کے بعد جب وہ کمرے میں آیا تھا تو اس نے رومیصہ کو کاٹ پر جھکے ہوئے دیکھا تھا ڈریسنگ کے دروازہ کھلنے کی آواز پر وہ سیدھی ہو گئی تھی۔ دونوں کی نظریں جس تیزی سے ملی تھیں اسی تیزی سے چرا لی گئی تھیں۔ وہ واپس جانے سے پہلے اس سے کچھ باتیں کرنا چاہتا تھا

اور یہ مرحلہ بے حد مشکل تھا۔

''میں نے اسے دیکھا اور میں اس کا تھا بس۔اسے کچھ کرنے کی ضرورت ہی نہیں پڑی۔''

ایک بار نبیل نے اسے بتایا تھا اور وہ......اور وہ اس کا ہونا نہیں چاہتا تھا۔

''کچھ باتیں ہیں جو میں کلیئر کر دینا چاہتا ہوں تم جانتی ہو، یہ شادی میری مرضی سے نہیں ہوئی۔ مجھے مجبور کر دیا گیا تھا۔کوئی دوسرا راستہ میرے پاس تھا ہی نہیں۔میرے دل میں تم دونوں کے لیے پہلے جگہ تھی، اب نہیں ہے۔میرے لیے بہت مشکل ہے کہ میں تم دونوں کو اپنی زندگی میں شامل کروں۔بہر حال میں کوشش کروں گا لیکن تم مجھ سے کوئی توقعات وابستہ نہ کرنا۔میں ماہم کے باپ کا رول بھی ادا نہیں کر سکتا اور نہ ہی اچھا شوہر بن سکتا ہوں۔لیکن مجھے اچھا شوہر بننے کے لیے کہا بھی نہیں گیا۔پھر بھی میں کوشش کروں گا کہ تمھیں مجھ سے کوئی شکایت نہ ہو۔'' وہ اس کے چہرے پر نظر ڈالے بغیر بولتا رہا تھا اور اپنی بات کے اختتام پر وہ کمرے سے باہر نکل گیا۔

وہ سر جھکائے بیڈ کے ایک کونے پر بیٹھ گئی اور کتنی ہی دیر بیٹھی رہی۔پچھلے ڈیڑھ سال میں اس کی شادی ہوئی تھی، وہ بیوہ ہوئی تھی، ماں بنی تھی۔ایک بار پھر شادی ہو گئی تھی، زندگی میں اب آگے کیا تھا؟ زندگی کو اس سے جلدی کس نے برتا ہو گا اور اب وہ کہہ رہا تھا وہ کوشش کرے گا کہ اسے شکایت نہ ہو۔

رومیصہ عمر کی شکایت کہاں ہوتی ہے اسے تو بس سمجھوتا کرنا آتا ہے کل، آج اور کل۔بس اسے سمجھوتے ہی تو کرنے ہیں۔''اس نے آنسو پونچھتے ہوئے سوچا تھا۔

''تمھیں کیا ضرورت تھی آنے کی دنیا میں تمھارے لیے کیا رکھا تھا۔جس طرح میں زندگی گزار رہی ہوں۔تمھیں بھی ویسے ہی گزارنی تھی پھر کیوں......اللہ میں کیا کروں جو میری راہ کے کانٹے اس کے رستے میں نہ آئیں۔کیوں پیدا کیا اسے تم نے؟ کیوں پیدا کیا؟ اس کی کیا ضرورت تھی؟ میں کافی تھی نا آزمائشوں کے لیے۔پھر یہ کیوں میری بیٹی ہی کیوں۔''

وہ ماہم کے پاس آکر اسے دیکھتے ہوئے آنسوؤں کے ساتھ سوچ رہی تھی۔

※

وقت آہستہ آہستہ گزر رہا تھا۔زندگی اپنی ڈگر پر آتی جا رہی تھی۔آزمائشوں میں اضافہ ہوا تھا نہ کمی بس ان کی عادت ضرور ہو گئی تھی۔اسے کسی کی بات پر اعتراض ہوتا تھا نہ شکوہ جب تک اسے سر پر چھت جسم پر لباس اور کھانے کے لیے روٹی ملتی اسے اس بات سے قطعاً کوئی غرض نہیں تھی کہ کون اسے کیا کہتا ہے اور کیا نہیں۔

وہ صبح سے شام تک مشین کی طرح گھر والوں کی خدمت میں لگی رہتی۔اکثر اسے یہ بھی پروا نہیں ہوتی تھی کہ ماہم کس حال میں ہے اسے دودھ ملا ہے یا نہیں۔وہ سو رہی ہے یا جاگ رہی ہے۔وہ صرف یہ چاہتی تھی کہ گھر والے خوش رہیں۔ان کا کوئی کام خراب نہ ہو۔انھیں ہر چیز وقت پر مل جائے۔ماہم کا کیا تھا وہ تو پل ہی رہی تھی۔

ذیشان مہینے میں ایک دو بار آیا کرتا تھا۔کبھی صرف چند گھنٹے گزار کر چلا جاتا۔کبھی ایک رات کے لیے ٹھہر جاتا۔اس کا اشتعال وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ختم ہو گیا تھا اور اس کی جگہ افسردگی اور پچھتاوے نے لے لی تھی اس کے دل میں رومیصہ کے لیے جگہ تھی یا نہیں مگر اس نے اسے بیوی کی حیثیت ضرور دے دی تھی۔اگرچہ یہ سب دونوں کے لیے بہت مشکل، بہت تکلیف دہ تھا۔

نبیل زندہ نہ ہونے کے باوجود ان دونوں کی تنہائی میں موجود رہتا تھا جہاں رومیصہ کو لگتا کہ وہ نبیل سے بے وفائی کر رہی ہے وہاں ذیشان کو یوں لگتا جیسے وہ اپنے بھائی کو دھوکا دے رہا ہے۔شروع میں اس بیڈ روم میں رات گزارنا اسے قیامت سے کم نہیں لگتا تھا۔وہ سوتے سوتے نیند سے اٹھ جاتا۔اسے یوں لگتا جیسے اس کا دم گھٹ رہا ہو جیسے کوئی اس کا گلا دبا رہا ہو۔وہ کمرے کی کھڑکیاں کھول دیتا مگر تب بھی اسے سکون نہیں ملتا پھر وہ ٹیرس پر نکل جاتا اور بعض دفعہ صبح تک وہیں سگریٹ پھونکتا رہتا۔وہ بے خبر نہیں تھی۔وہ سمجھتی تھی مگر وہ بے بس تھی کچھ نہیں کر سکتی تھی۔اسے اپنے وجود سے شدید نفرت ہوتی۔

''نہ میں ہوتی نہ دوسروں کے لیے یوں عذاب بنتی۔'' وہ سوچتی اور سر پکڑ لیتی۔

⁂

جوں جوں وقت گزرتا گیا ذیشان کی آمد کم ہوتی گئی۔اب وہ مہینے میں صرف ایک بار آتا تھا۔ایک خاموشی تھی جو اس پر طاری رہتی تھی۔وہ سنجیدہ پہلے بھی تھا مگر اتنا چپ کبھی بھی نہیں تھا۔مگر اب تو گھر آ کر جیسے وہ بات کرنا بھول جاتا تھا۔رومیصہ کے ساتھ تو وہ ضرورت سے زیادہ کبھی بات نہیں کرتا تھا۔مگر اب باقی لوگوں کے ساتھ بھی اس کی گفتگو بہت کم ہو گئی تھی۔اسے ماہم سے بھی کوئی دلچسپی نہیں تھی۔

جب تک سکندر علی نے اسے رومیصہ سے شادی کرنے کے لیے نہیں کہا تھا تب تک وہ ماہم کو ہر دفعہ گھر آنے پر ضرور دیکھنے آیا کرتا تھا اور کچھ دیر کے لیے اٹھا بھی لیتا تھا۔مگر شادی کے بعد اس نے ماہم کو اٹھانا تو درکنار کبھی اس پر نظر بھی نہیں دوڑائی تھی۔بلکہ بعض دفعہ جب وہ رونے لگتی تو اسے بے تحاشا غصہ آیا اور وہ رومیصہ سے کہتا کہ وہ اسے کمرے سے باہر لے جائے۔

ماہم جب رونے پر آتی تو روتی ہی جاتی پھر اسے چپ کروانا بے حد مشکل ہو جاتا اور ذیشان کا پارہ آسمان سے باتیں کرنے لگتا۔اس دن بھی یہی ہوا تھا۔ماہم نیند سے اٹھ کر یک دم رونے لگی تھی وہ اس وقت خود سونے کے لیے بیڈ پر لیٹنے کو تھی۔ذیشان کچھ کاغذات دیکھ رہا تھا۔اس نے اٹھ کر ماہم کو چپ کروانے کی کوشش کی۔مگر وہ چپ ہونے کے بجائے اور زور سے رونے لگی۔کچھ دیر تک وہ یہ شور شرابا برداشت کرتا رہا مگر پھر اس کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا تھا۔

''اسے چپ کرواؤ ورنہ میں اسے اٹھا کر کھڑکی سے باہر پھینک دوں گا۔''

اس نے بڑے درشت لہجے میں کہا تھا اور وہ اس کی بات پر خوفزدہ ہو گئی تھی۔ماہم کو اٹھا کر وہ کمرے سے باہر نکل آئی تھی۔اور باہر نکل کر اسے چپ کروانے کے بجائے وہ خود بھی رونے لگی تھی۔ماہم کچھ دیر تک روتے رہنے کے بعد خاموش ہو گئی تھی۔وہ کتنی ہی دیر اسے لیے سیڑھیوں پر بیٹھی رہی۔اس واقعہ کے بعد یہ ہوتا تھا کہ جب ذیشان کمرے میں ہوتا تو وہ ماہم کو وہاں نہ چھوڑتی۔اگر اسے کام کرنا ہوتا تو وہ ماہم کو اپنے پاس ہی لٹا

لیتی اور خود کام میں مصروف رہتی۔ کبھی ماہم سو جاتی۔ کبھی وہ اٹھ کر خود ہی کھیلتی رہتی اور اگر ذیشان کی موجودگی میں وہ کبھی رات کو رونے لگتی تو وہ فوراً اس کو لے کر کمرے سے باہر ٹیرس پر نکل جاتی۔ اس کے موڈ کو بگڑنے سے بچانے کا جو واحد حل اسے نظر آتا تھا۔ وہ یہی تھا۔

جب ذیشان نہ ہوتا تب وہ اسے سارا دن کمرے میں ہی رکھتی۔ بعض دفعہ ایسا ہوتا کہ ماہم کمرے میں رو رو کر ہلکان ہو جاتی اور اسے پتا ہی نہ چلتا اور پھر جب خیال آنے پر وہ اوپر جاتی تو وہ زور و شور سے رو رہی ہوتی پتا نہیں کیوں لیکن وہ پھر اسے نیچے لے کر نہ آتی، شاید وہ خوفزدہ تھی کہ کہیں گھر والوں کو یہ بات بھی ناگوار نہ لگنے لگے۔

شروع میں ماہم نے اسے کچھ تنگ کیا تھا مگر آہستہ آہستہ وہ بھی جیسے حالات سے سمجھوتہ کرنا سیکھ گئی تھی۔ جہاں رومیصہ اسے ڈال دیتی وہ وہیں پڑی رہتی۔ جو وہ اسے کھانے کو دیتی وہ خاموشی سے کھا لیتی۔ رومیصہ کے پاس روپے نہیں ہوتے تھے۔ جن سے وہ اس کے لیے اچھی خوراک یا کپڑے خریدتی، ستارہ اسے اپنی بیٹی کے استعمال شدہ کپڑے دے دیتی اور رومیصہ وہی کپڑے ماہم کو پہناتی رہتی۔ کھانے کے لیے وہ اسے دودھ دیتی تھی یا پھر روٹی کا ایک ٹکڑا تھما دیتی اور کبھی نرم سے چاول پکا کر اسے کھلا دیتی۔

جب ستارہ اور عالیہ اپنے بچوں کو طرح طرح کے سیریلز دیتی تو بعض دفعہ اس کا دل چاہتا کہ وہ بھی ایسی ہی کوئی اچھی سی چیز اسے کھلائے۔ اسے جوس پلائے، بسکٹ دے، اسے کوئی پھل کھلا سکے مگر ہر بار وہ دل مسوس کر رہ جاتی۔ وہ کچن سے اس کے لیے کچھ بھی چرا کر نہیں لینا چاہتی تھی اور اگر وہ ممی سے کسی چیز لینے کی اجازت مانگتی تو وہ کبھی اسے اجازت نہ دیتیں۔ انھوں نے شروع ہی سے اسے کہہ دیا تھا کہ وہ اپنی بیٹی کو سادہ خوراک کھلائے تاکہ اس کی عادتیں نہ بگڑیں اور اسے اپنی اوقات یاد رہے اور وہ وہی کر رہی تھی جو ممی چاہتی تھیں۔

سکندر علی نے شادی سے پہلے دو تین بار اسے کچھ روپے دیے تھے مگر پھر انھوں نے اسے روپے نہیں دیے تھے۔ شاید وہ سوچتے ہوں گے کہ اب ذیشان اسے روپے دیتا ہو گا اور ذیشان نے شاید یہ سوچا ہو گا کہ اسے روپوں کی کیا ضرورت ہو گی، شاید اسے کبھی یہ خیال ہی نہیں آیا ہو گا کہ اسے اب مالی طور پر رومیصہ کو سپورٹ کرنا چاہیے اور رومیصہ میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ اس سے روپے مانگتی۔ اسے لگتا تھا کہ اس نے شادی کر کے ہی اس پر بہت بڑا احسان کر دیا۔ اب وہ اور کیا مطالبہ کرے۔ جب تک نبیل زندہ تھا، اسے کبھی روپے مانگنے کی ضرورت ہی نہیں پڑی تھی۔ نہ صرف وہ اس کے اکاؤنٹ میں ہر ماہ روپے جمع کرواتا تھا بلکہ اس کی دراز میں بھی وقتاً فوقتاً روپے رکھتا رہتا تھا۔ اور اب اس کے پاس اتنے روپے نہیں ہوتے تھے کہ وہ ماہم کے لیے دودھ کا ایک ڈبہ ہی خرید لے۔

پھر بھی اسے کسی سے کوئی شکایت نہیں تھی۔ اب اسے اتنی فرصت بھی نہیں ملتی تھی کہ وہ نبیل کو یاد کرتی پھرے۔ صبح سے لے کر رات گئے تک وہ اتنی مصروف رہتی کہ جب رات کو سونے کے لیے لیٹتی تو چند منٹوں میں سو جاتی۔ کئی کئی دن اسے نبیل کا خیال ہی نہ آتا اور اگر کبھی آتا تو پھر سب کچھ یاد آتا۔ اس کی ہنسی، اس کی باتیں، اس کی آنکھیں، اس کے خواب، اس کی خواہشات، ہر چیز اور پھر جیسے ایک دھواں سا اس کے وجود کو اپنے حصار میں لے لیتا۔ ”اگر وہ نہ مرتا تو آج میں اور ماہم کہاں ہوتے، اگر وہ ہوتا تو زندگی کیسی ہوتی۔“ وہ سوچتی اور اس کی آنکھیں جلنے لگتیں۔

”تم اس قدر خوبصورت ہو رومی! کہ اگر کوئی تمھیں میری نظر سے دیکھے تو شاید کہہ دے کہ اب میں کچھ اور دیکھنا نہیں چاہتا۔“

بعض دفعہ وہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے بیٹھتی تو نبیل کی آواز اس کے کانوں میں گونجنے لگتی۔

''اور اب اگر تم مجھے دیکھو تو شاید کہو۔ میں دوبارہ تمھیں دیکھنا نہیں چاہتا۔''

وہ شیشے میں اپنے عکس کو دیکھتے ہوئے سوچتی۔ جب خواب ٹوٹتے ہیں تو نہ چاند چہرے، چاند رہتے ہیں نہ ستارہ آنکھیں ستارہ زندگی بس تاریک آسمان بن کر رہ جاتی ہے۔ اس کے ساتھ بھی یہی ہوا تھا۔

............❁............

ماہم آہستہ آہستہ بڑی ہو رہی تھی اور سارا دن کمرے میں رہنے کی وجہ سے یہ ہوا تھا کہ جب بھی رومیصہ اس کو نیچے لے کر جاتی وہ حیرانی سے ہر چیز کو دیکھتی رہتی۔ گھر میں موجود دوسرے بچوں کو دیکھتی اور خوفزدہ ہو جاتی اور رومیصہ کو اس بات کا احساس بھی نہیں تھا کہ اس طرح سے اکیلے کمرے میں چھوڑ دینا اس کے ذہن کے لیے کتنا نقصان دہ ہو سکتا ہے۔ وہ چاہتی ہی یہی تھی کہ ماہم کسی کے پاس نہ جائے تاکہ کسی کو اس سے شکایت نہ ہو، نہ ہی وہ کوئی نقصان کرے۔

گھر میں موجود ستارہ کی دو بیٹیاں اور عالیہ کا بیٹا اور بیٹی ماہم کو دیکھتے تھے، مگر انھوں نے بھی کبھی اس کے پاس آنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ ہاں گھر کے نوکر بعض دفعہ اسے اٹھا لیتے۔ قدرتی طور پر انھیں رومیصہ سے ہمدردی تھی۔ وہ جانتے تھے کہ وہ بے شک سارا دن ان کے ساتھ کام کرتی رہتی ہے اور اس کا حلیہ بھی ان سے زیادہ مختلف نہیں ہے پھر بھی وہ ملازمہ نہیں تھی، صرف حالات کا شکار تھی۔

اس دن ذیشان گھر آیا ہوا تھا۔ ویک اینڈ تھا اور اگلی صبح جب وہ نیچے آنے لگی تو وہ ماہم کو بھی نیچے اٹھا لائی تھی۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ اس کی غیر موجودگی میں وہ جاگ کر رونا شروع کرے اور ذیشان کو بھی جگا دے۔ اس نے کچن کے سامنے والی راہداری میں بٹھا دیا تھا۔ پھولوں کی ایک شاخ اس نے کھیلنے کے لیے اسے دی تھی۔ کافی دیر تک وہ اسی شاخ کے ساتھ کھیلتی رہی اور رومیصہ کچن میں دوسرے ملازموں کے ساتھ کام میں مصروف تھی۔

پھر پتا نہیں کب ماہم وہاں سے رینگتی ہوئی ہال میں چلی گئی تھی اور وہیں اس نے ٹیلی فون کے تار سے کھیلنا شروع کر دیا تھا۔ عالیہ کا بیٹا سفیان باہر سائیکل چلا رہا تھا اور جب وہ سائیکل چھوڑ کر اندر آیا تو اس نے ماہم کو فون کا تار کھینچتے ہوئے دیکھا تھا۔ کچھ غصے میں وہ اس کے پاس آیا تھا۔ اور اس سے تار کھینچنے لگا جب سفیان اس کے ہاتھ سے تار نہیں چھڑا سکا تو جھنجلاہٹ میں اس نے ماہم کو زور سے دھکا دیا تھا اور وہ منہ کے بل دیوار سے ٹکرائی تھی۔ ایک زور کی چیخ اس کے حلق سے نکلی تھی اور رومیصہ جس تک اس کے رونے کی آواز نہیں آئی تھی اس آواز پر چونک پڑی تھی اور جب اس نے کچن سے باہر آ کر دیکھا تو وہ دھک سے رہ گئی تھی وہ اپنی جگہ پر نہیں تھی اور اس کے رونے کی آواز آ رہی تھی۔ وہ تقریباً بھاگتی ہوئی ہال میں گئی تھی۔

آٹھ سالہ سفیان اب فاتحانہ نظروں سے تار ہاتھ میں لیے ہوئے اسے دیکھ رہا تھا اور وہ زمین پر اوندھی پڑی ہوئی تھی وہ بھاگ کر اس کے پاس آئی تھی اور اسے سیدھا کرتے ہی اس کا سانس رک گیا تھا۔ اس کا منہ خون سے تر تھا۔ اس نے بنا سوچے سمجھے سفیان کے منہ پر زور سے تھپڑ مارا اور وہ روتا ہوا وہاں سے بھاگ گیا تھا۔ وہ اسے گود میں اٹھا کر واش روم میں لے آئی تھی اور وہاں اس نے اس کے ہونٹوں پر لگا ہوا خون صاف کرنا

شروع کیا تھا مگر صرف اس کے ہونٹ ہی زخمی نہیں تھے اس کے منہ کے اندر سے خون بہہ رہا تھا۔ اس نے ماہم کا منہ کھول کر اندر دیکھنے کی کوشش کی تھی اور یک دم اس نے خود بھی پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کر دیا تھا۔

ماہم کے اوپر والے جبڑے میں صرف ایک دانت نکلا ہوا تھا اور اب وہ بھی معمولی سے گوشت کے ساتھ لٹک رہا تھا اور جس جگہ پہلے دانت تھا وہاں سے بے تحاشا خون نکل رہا تھا۔ اس میں اتنی ہمت نہیں رہی تھی کہ وہ اس لٹکتے ہوئے دانت کو کھینچ کر الگ کر دیتی یا خون روکنے کی کوشش کرتی۔ وہ روتی ہوئی ماہم کو لے کر واش روم سے باہر نکل آئی تھی، وہ ماہم کا اکلوتا دانت تھا۔ اور جب یہ دانت نکلنا شروع ہوا تھا تو وہ بے تحاشا خوش ہوئی تھی۔ وہ روز کتنی بار اس دودھیا دھبے کو دیکھتی اور اس کے لیے وہ چاند ہی کی طرح تھا اور اب جب دانت مکمل ہوا تھا جیسے اسے دنیا کی ساری دولت مل گئی ہو۔ اس کے دانت کو دیکھنا اسے چھونا اور ہنسنا ان دنوں اس کی واحد تفریح تھی اور اب وہ بھی ختم ہو گئی تھی۔

وہ اوپر جانے والی سیڑھیوں میں اسے لے کر بیٹھ گئی تھی۔ اسے سینے سے لپٹائے چپ کروانے کے بجائے وہ خود بھی بلک بلک کر رو رہی تھی چند لمحوں بعد قدموں کی آواز پر اس نے سر اٹھا کر دیکھا تھا۔ نائٹ گاؤن میں ملبوس عالیہ اس کے سر پر کھڑی شعلہ بار نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ شاید سفیان اسے نیند سے اٹھا کر لایا تھا۔ اس لیے وہ بالکل آپے سے باہر ہو رہی تھی۔ وہ جب بولنا شروع ہوئی تھی تو بولتی ہی چلی گئی تھی۔ اس نے روتی ہوئی ماہم کو دیکھا تھا نہ رومیصہ کے بہتے ہوئے آنسوؤں کو۔ بس وہ بلند آواز میں دھاڑتی رہی تھی۔ گھر کے سارے ملازم ایک ایک کر کے وہاں آ گئے تھے۔ اس نے کوئی وضاحت پیش کرنے کی کوشش نہیں کی۔ اس میں بات کی ہمت ہی نہیں تھی۔ تھوڑی دیر میں ممی بھی وہاں پہنچ گئی تھیں اور جو کسر رہ گئی تھی انھوں نے پوری کر دی تھی۔ ان کا بس نہیں چل رہا تھا ورنہ وہ رومیصہ کو بچی سمیت دھکے دے کر باہر نکال دیتیں۔

شور کی آواز پر گھر کے مردوں میں سب سے پہلے باہر نکلنے والا ذیشان تھا۔ اس کی آنکھ بھی انہیں آوازوں سے کھلی تھی۔ کمرے سے باہر نکل کر اس نے نیچے ہال میں جھانکا تھا اور سیڑھیوں میں ماہم کو لیے بیٹھی ہوئی رومیصہ کو دیکھا تھا اور ہال میں ہی اس نے عالیہ اور ممی کو چنگھاڑتے سنا تھا۔ گھر کے نوکروں کا جمگھٹا بھی اس نے دیکھ لیا تھا۔ جھگڑا کس بات کا ہے وہ اس کی سمجھ میں نہیں آیا تھا کیونکہ اس وقت عالیہ اور ممی رومیصہ کے خاندان کے قصیدے پڑھنے میں مصروف تھیں۔ وہ بڑی خاموشی سے ریلنگ کے پاس کھڑا بازو لپیٹے ہوئے یہ سب دیکھتا رہا۔ اس نے مداخلت کی کوشش نہیں کی تھی۔

کافی دیر تک گرجنے برسنے کے بعد ممی اور عالیہ وہاں سے چلی گئی تھیں اور نوکر بھی وہاں سے غائب ہو گئے تھے۔ ماہم کے رونے کی آواز ابھی تک آ رہی تھی اور رونے سے زیادہ اب وہ کراہ رہی تھی۔ وہ آہستہ آہستہ سیڑھیاں اتر کر نیچے آیا تھا۔ قدموں کی آواز پر اس نے جھکے ہوئے سر کو اٹھایا تھا۔ ماہم کو ابھی بھی اس نے سینے سے لگایا ہوا تھا۔ ذیشان نے اس کی سوجی ہوئی آنکھوں میں عجیب سی وحشت دیکھی تھی۔

''کیا ہوا ہے؟'' وہ پوچھے بغیر نہیں رہ سکا۔ اس نے جواب نہیں دیا تھا۔ صرف ماہم کو ہال کے فرش پر اچھال دیا تھا اور تقریباً بھاگتی ہوئی سیڑھیاں چڑھ گئی تھی، اگر ہال میں فرش پر کارپٹ نہ ہوتا تو جتنی شدت سے اس نے ماہم کو پٹخا تھا ضرور اس کی کوئی ہڈی ٹوٹ جاتی مگر چوٹ اسے اب بھی لگی تھی کچھ دیر تک وہ بے حس و حرکت وہیں پڑی رہی پھر وہ مچھلی کی طرح تڑپنے لگی تھی۔

ذیشان جو بھونچکا کھڑا تھا وہ بے اختیار اس کی طرف آیا تھا۔ اور پہلی دفعہ خون سے لتھڑے ہوئے ہونٹ اس کی نظر میں آئے تھے اور جب اس نے اس کے منہ کے اندر جھانکا تو وہ اٹکا ہوا دانت بھی اس کی نظر میں آ گیا تھا۔ اس کے دل کو بے اختیار کچھ ہونے لگا تھا۔ وہ اسے کندھے سے لگائے ہوئے اوپر کمرے میں گیا تھا۔ رومیصہ وہاں نہیں تھی اور ڈریسنگ روم کا دروازہ بند تھا۔ اس نے بیڈ سائیڈ ٹیبل سے اپنی گاڑی کی چابی اٹھائی اور نیچے آ گیا۔

آواز دے کر اس نے خانساماں کی بیوی کو بلوایا تھا اور ماہم کو اسے تھما کر اپنے ساتھ چلنے کے لیے کہہ کر وہ گاڑی کے پاس آ گیا۔ ہاسپٹل جا کر اس نے ڈاکٹر سے یہ کہا تھا کہ وہ سیڑھیوں سے گر گئی ہے اور پھر اس کے ایکسرے کروائے تھے۔ رومیصہ کے پھینکنے کی وجہ سے اس کے دائیں کندھے کی ہڈی کو ہلکی سی ضرب آ گئی تھی۔ ڈاکٹر نے اس کا دانت نکال دیا تھا اور خون روکنے کے لیے وہ برف کو استعمال کرتا رہا۔ وہ خاموشی سے پورا عمل دیکھتا رہا تھا۔ ڈاکٹر نے اسے ایک انجکشن دیا تھا اور ایک دو سیرپ لکھ دیے تھے۔

واپسی پر اس نے خانساماں کی بیوی سے اس کے زخمی ہونے کی داستان بھی سن لی تھی۔ ماہم اس قدر تھک چکی تھی یا پھر اس انجکشن کے زیر اثر تھی کہ گھر واپس آنے تک وہ سو چکی تھی۔ وہ جب تک گاڑی لاک کر کے اوپر پہنچا تھا تب تک خانساماں کی بیوی اسے کمرے میں پہنچا چکی تھی، اور جب وہ کمرے میں داخل ہوا تو اس نے رومیصہ کو اس کے پاس کھڑے دیکھا تھا۔ اس نے سیرپ اور کار کی چابی ٹیبل پر رکھ دی اور شوز اتار کر پھر لیٹ گیا۔ اس سے پہلے کہ وہ آنکھیں بند کرتا۔ وہ یک دم اس کی طرف پلٹی تھی۔

''دوبارہ دانت نکل آئے گا نا؟'' اس نے پوچھا تھا اور اس کے چہرے پر پتا نہیں کیا تھا کہ وہ زیادہ دیر اسے نہیں دیکھ پایا۔

''ہاں۔'' بہت دھیمی آواز میں اس نے کہا تھا۔

''کب؟'' وہ پتا نہیں کون سی تسلی چاہتی تھی۔

''بہت جلدی۔'' اس بار بھی اس کا جواب مختصر تھا۔ وہ دوبارہ ماہم کے کاٹ کی طرف پلٹ گئی تھی وہ آنکھیں بند کر کے سونے کی کوشش کرنے لگا۔ مگر بری طرح ناکام رہا۔ ایک عجیب سی شرمندگی اور خجالت اسے گھیرے ہوئے تھی۔

''اگر نبیل ہوتا اور یہ سب کچھ اس کے سامنے ہوا ہوتا تو اس وقت گھر میں طوفان آ چکا ہوتا۔''

وہ آنکھیں بند کیے سوچ رہا تھا۔ وہ بڑی دیر تک آنکھیں بند کیے سوچتا رہا۔

''نبیل ہاں نبیل کیا کرتا؟ مگر میں نبیل نہیں ہوں اور پھر میں جو کر سکتا تھا وہ کر چکا ہوں اب اور کیا کروں؟''

وہ ان سب سوچوں سے جھنجلا گیا تھا اور اس نے انھیں ذہن سے جھٹک دیا کچھ دیر بعد وہ سونے میں کامیاب ہو ہی گیا۔

اس وقت دوپہر کا وقت تھا جب وہ دوبارہ بیدار ہوا تھا۔ ایک عجیب سی تھکن اس کے اعصاب پر سوار تھی۔ سر جھٹکتے ہوئے وہ اٹھ گیا۔ رومیصہ کمرے میں نہیں تھی۔ باتھ روم کی طرف بڑھتے بڑھتے پتا نہیں اس کے دل میں کیا آیا کہ وہ ماہم کی طرف بڑھ آیا۔ وہ ابھی بھی سو رہی تھی۔ اس کے چہرے پر نظر پڑتے ہی عجیب سا تاسف اس کے دل میں پیدا ہوا تھا اس کے ہونٹ صبح سے زیادہ سوجے ہوئے تھے اور نیلگوں ہو رہے تھے،

کچھ دیر تک وہ اسے دیکھتا رہا پھر وہ سر جھکا کر باتھ روم کی طرف چلا گیا۔ اس دن ان دونوں کے درمیان مزید گفتگو نہیں ہوئی تھی۔ رات کو وہ واپس شیخوپورہ چلا گیا تھا۔

رومیصہ اس واقعہ کے بعد پہلے سے زیادہ محتاط ہو گئی تھی اب وہ اسے بالکل ہی نیچے نہیں لاتی تھی اور اگر لاتی بھی تو اسے اپنی نظروں کے سامنے رکھتی۔ آہستہ آہستہ ماہم کے زخم مندمل ہوتے گئے تھے اور اس کے ہونٹ پہلے کی طرح ہو گئے تھے۔ مگر وہ اس واقعے سے بہت ڈر گئی تھی وہ سمجھ تو نہیں پائی تھی کہ اس کے ساتھ کیا ہوا ہے اور کیوں ہوا ہے مگر اس کے لیے جو واحد احساس تھا وہ درد اور تکلیف کا تھا اور اس تکلیف نے اسے بے تحاشا خوفزدہ کر دیا تھا۔ رومیصہ رات کو جب اوپر جاتی تو بعض دفعہ وہ جاگ جاتی اور پھر رومیصہ اسے گود میں لے کر ٹیرس پر ٹہلتی رہتی اس سے باتیں کرتی۔ وہ نبیل سے بے حد مشابہت رکھتی تھی اور رومیصہ بعض دفعہ بہت دیر تک اس کا چہرہ دیکھتی رہتی۔

وہ اس رات بھی اسے لے کر ٹیرس پر پھرتی رہی تھی۔ پھر جب ماہم اونگھنے لگی تو وہ اسے لے کر اندر آ گئی۔ اس نے اسے کاٹ میں لٹانے کے بجائے اپنے پاس بیڈ پر لٹا لیا تھا۔ وہ خود بھی سونے کے لیے لیٹ گئی۔ لیکن پتا نہیں کیوں وہ اپنے اندر ایک عجیب سی بے چینی محسوس کر رہی تھی۔ اور اسے نیند نہیں آ رہی تھی۔ پھر اچانک کسی کے قدموں کی آواز اسے سنائی دی تھی کوئی اس کے دروازے کے سامنے سے گزر کر آگے گیا تھا اور آگے والے کمرے کا دروازہ بجانے لگا تھا۔ دستک کی آواز میں عجیب سی بوکھلاہٹ تھی جیسے کوئی بہت تیزی میں ہو۔

وہ اٹھ کر بیٹھ گئی تھی۔ ایک عجیب سے خوف نے اس کے دل کو اپنی گرفت میں لے لیا۔ وہ بیڈ پر اٹھ کر بیٹھ گئی۔ دستک کی آواز اب بند ہو گئی تھی اور تھوڑی دیر بعد ایک بار پھر کوئی اس کے کمرے کے دروازے کے سامنے سے گزرا تھا۔ وہ سانس روکے باہر سے ابھرنے والی آوازوں کو سنتی رہی۔ تھوڑی دیر بعد کوئی دو افراد ایک بار پھر بڑی تیزی سے اس کے کمرے کے دروازے کے سامنے سے گزرے تھے۔

''یہ یقیناً اشعر اور سارہ ہوں گے۔ اس نے اندازہ لگایا تھا۔ مگر یہ اس وقت نیچے کیوں گئے ہیں؟'' اس کی بے چینی میں اور اضافہ ہو گیا تھا۔ کچھ دیر بعد نیچے کسی گاڑی کے اسٹارٹ ہونے کی آواز آئی تھی۔ پھر ایک اور گاڑی اسٹارٹ ہوئی تھی وہ بے اختیار بیڈ سے اٹھ کر دروازہ کھول کر باہر آ گئی تھی۔ ہال کی ساری لائٹس آن تھیں۔ اس نے نیچے جھانکا۔ ہال میں کوئی نہیں تھا، گھر میں خاموشی طاری تھی۔ وہ تیز قدموں سے نیچے آئی اور پھر بیرونی دروازے کی طرف آ گئی۔ ایک ملازم ستے ہوئے چہرے کے ساتھ اندر آ رہا تھا۔ شاید وہ دروازہ بند کرنے گیا تھا۔ ''غفور! یہ سب کہاں گئے ہیں؟'' اس نے پوچھا۔

''ذیشان صاحب کو کسی نے گولیاں ماردی ہیں۔ ابھی فون آیا تھا انہیں لاہور لائے ہیں مگر ان کی حالت ٹھیک نہیں ہے۔'' اس نے نظر چراتے ہوئے کہا تھا۔ وہ جیسے برف بن گئی تھی۔

''کیا ایک بار پھر......؟'' وہ آگے نہیں سوچ سکی تھی اپنے وجود کو بمشکل گھسیٹتے ہوئے وہ اوپر کمرے میں آئی تھی۔

''میرے ساتھ یہ سب کیوں ہوتا ہے؟ صرف میرے ساتھ ہی کیوں؟ کیا دنیا میں اور کوئی نہیں ہے۔'' وہ سوچ رہی تھی اور گم صم سی بیڈ پر

سوتی ہوئی ماہم کو دیکھتی جا رہی تھی۔

''اب کیا ہوگا؟ میں کیا کروں؟ ہر سوال ایک راستہ تھا ہر راستہ جیسے بند ہوتا جا رہا تھا۔ کسی نے مجھے اس قابل بھی نہیں سمجھا کہ مجھے ساتھ لے لیتا۔ مجھے بتا دیا جاتا۔ کیا میرا اس سے کوئی رشتہ نہیں ہے۔

''اس کی افسردگی بڑھتی جا رہی تھی۔ کمرے میں یک دم بے حد گھٹن ہوگئی تھی وہ اٹھ کر باہر ٹیرس پر آ کر دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔ وہ بہت کچھ سوچتی رہی تھی اپنا ماضی، حال، مستقبل سب بدصورت تھا سب بھیانک تھا کہیں پر کوئی رنگ نہیں تھا کہیں پھر کوئی روشنی نہیں تھی وہ خاموشی سے اندر کے سناٹے کو سنتی رہی۔ محسوس کرتی رہی۔ پتا نہیں کتنی دیر وہ اسی طرح بیٹھی رہی تھی۔ آسمان آہستہ آہستہ رنگ بدلنے لگا تھا۔ پرندوں نے چہچہانا شروع کر دیا تھا وہ وہاں سے اٹھ گئی تھی۔ کمرے میں آنے کے بعد وہ زیادہ دیر وہاں نہیں رہ سکی اور نیچے آ گئی۔ گھر میں نوکروں کی آمد و رفت شروع ہوگئی تھی۔ ہر ایک اس حادثے سے باخبر تھا۔ ہر ایک کی آنکھوں میں اس کے لیے ترحم تھا۔

وہ ہال کے ایک صوفے پر آ کر بیٹھ گئی تھی۔ نو بجے اشعر اور احمر اپنی بیویوں اور فاخرہ کے ساتھ گھر آ گئے تھے۔ ممی کی آنکھیں سوجی ہوئیں تھیں۔ وہ حلق میں اٹکے ہوئے سانس کے ساتھ ان کے سامنے گئی تھی۔ ممی اسے دیکھتے ہی چلانا شروع ہوگئی تھیں۔

''یہ سب اس کی وجہ سے ہو رہا ہے۔ یہ مار ڈالے گی، یہ کھا جائے گی ہر ایک کو کھا جائے گی اسے نکالو۔ اسے یہاں سے نکالو''

اسے برا نہیں لگا۔ کوئی لفظ برا نہیں لگا۔ انھوں نے کچھ کہا تھا اسے کچھ کہا تو تھا۔ ستارہ اور عالیہ انھیں زبردستی بیڈ روم میں لے گئی تھیں۔

''ذیشان کیسے ہیں؟'' پتا نہیں اس نے کتنی مشکل سے پوچھا تھا۔ اشعر اپنے کمرے کی طرف جاتا جاتا رک گیا۔

''اس کی حالت ٹھیک نہیں ہے۔ اسے تین گولیاں لگی ہیں ابھی آئی سی یو میں ہے۔'' وہ ستے ہوئے چہرے کے ساتھ اسے بتا کر اپنے کمرے میں چلا گیا تھا۔

''مگر زندہ تو ہے بہر حال زندہ تو ہے۔'' ایک عجیب سا سکون ملا تھا اسے۔

وہ اس رات پیٹرولنگ پر تھا جب ایک ناکے پر ایک گاڑی رکے بغیر گزر گئی تھی تو اس نے موبائل میں پیچھے جانے کی کوشش کی تھی بار بار کی وارننگ کے بعد اس گاڑی کی اسپیڈ ہلکی ہونی شروع ہوئی تھی۔ موبائل میں اس سمیت بیٹھے ہوئے لوگ مطمئن تھے کہ وہ گاڑی کو روکنے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔ لیکن جب وہ اور دوسرے کانسٹیبل موبائل سے اترے تھے تو اس گاڑی سے یک دم فائرنگ شروع کر دی گئی تھی اسے دو گولیاں سینے میں لگی تھیں اور ایک ٹانگ میں لگی تھی ایک دو اور کانسٹیبل بھی بری طرح زخمی ہوئے تھے اور کچھ نے موبائل کے پیچھے چھپ کر خود کو بچایا تھا۔ بعد میں وہ ان لوگوں کو موبائل میں ڈال کر مقامی ہاسپٹل لائے تھے باقی دونوں کانسٹیبلز کو تو وہیں طبی امداد دی گئی تھی۔ لیکن اس کے زخم زیادہ گہرے اور خطرناک تھے اور وہ مسلسل غشی کی حالت میں تھا۔ تھوڑی بہ تطبی امداد دینے کے بعد ڈاکٹرز نے اسے لاہور لے جانے کے لیے کہا تھا اور اسے لاہور لایا گیا تھا۔

آپریشن سے تینوں گولیاں نکال دی گئی تھیں لیکن سینے میں لگی ہوئی دونوں گولیوں کے زخم بہت گہرے تھے اور ان سے مسلسل خون بہہ رہا تھا۔ ایک ہفتے تک وہ اسی طرح نیم غشی کی حالت میں رہا تھا۔ پھر آہستہ آہستہ اس کی حالت سنبھلنے لگی تھی اور وہ ہوش میں آ گیا تھا۔

مزید ایک ہفتے کے بعد اسے کمرے میں شفٹ کر دیا گیا تھا۔ پورا دن اسے کوئی نہ کوئی ملنے آتا رہتا کبھی کوئی آفیسر کبھی کوئی دوست اور کبھی گھر کے افراد۔ وہ بستر پر پڑے پڑے لوگوں کے تبصرے اور باتیں سن سن کر تنگ آ گیا تھا۔ اسے زندگی میں کبھی کوئی چھوٹی بڑی بیماری لاحق نہیں ہوئی تھی۔ اور اب جو مصیبت اس پر آئی تھی وہ اس کی برداشت سے باہر تھی۔ گھر والے روز آتے اسے تسلی دیتے اس کا حوصلہ بڑھاتے اور وہ خاموشی سے ان کا چہرہ دیکھتا باتیں سنتا رہتا۔

چند ماہ وہ ہاسپٹل رہا تھا اور اس پورے ماہ میں رومیصہ ایک بار بھی اسے دیکھنے نہیں جا سکی تھی۔ کسی نے اسے ساتھ لے جانے کی آفر ہی نہیں کی تھی۔ حتیٰ کہ سکندر علی نے بھی نہیں ان کا رویہ بھی اس واقعہ کے بعد سے بے حد عجیب ہو گیا تھا۔ وہ حتیٰ الامکان اسے نظر انداز کرتے اور وہ بے حد حیران ہوتی وہ تو ایسے نہیں تھے انھیں کیا ہو گیا تھا۔

وہ ذیشان کو دیکھنے نہیں جا سکی اور ذیشان کو بھی اس کے آنے کا احساس نہیں ہوا۔ شاید اسے اس کی تسلیوں کی ضرورت ہی نہیں تھی ایک ماہ بعد وہ ضد کر کے گھر شفٹ ہوا تھا۔ ڈاکٹرز ابھی اسے ڈسچارج نہیں کرنا چاہتے تھے۔ مگر وہ ہاسپٹل کے ماحول سے بیزار ہو چکا تھا، اس لیے ڈاکٹرز کو اس کی ضد کے سامنے سر جھکانا ہی پڑا۔

گھر آنے کے بعد رومیصہ نے پہلی بار اس کی خیریت دریافت کی تھی اور اس نے ''میں ٹھیک ہوں'' کہہ کر آنکھیں موند لی تھیں، یعنی وہ نہیں چاہتا تھا کہ وہ مزید کچھ پوچھے اور رومیصہ کے پاس کچھ اور پوچھنے کے لیے الفاظ بھی نہیں تھے۔

وہ ہاسپٹل سے گھر آ کر پرسکون ہو گیا تھا۔ لوگ اب بھی اس کی خیریت دریافت کرنے آتے رہتے تھے مگر اب پہلے کی طرح ان کا ہجوم نہیں رہتا تھا۔

دو ہفتے تک تو گھر والے بھی دن میں دو تین مرتبہ اس کے پاس آتے تھے اور کافی دیر تک بیٹھے رہتے تھے مگر آہستہ آہستہ یہ دورانیہ کم ہوتا گیا۔ ہر چیز اپنی روٹین پر آتی جا رہی تھی۔ سب لوگ اپنے اپنے کاموں میں مصروف ہوتے جا رہے تھے۔ اب صرف سکندر علی اور فاخرہ تھے جو روز

کچھ دیر کے لیے اس کے پاس آیا کرتے تھے۔ باقی لوگ ایک دو دن بعد کھڑے کھڑے آ کر اس کا حال پوچھتے اور چلے جاتے۔ رومیصہ بھی ماہم کو ساتھ لے کر سارا دن نیچے کام میں مصروف رہتی تھی۔ وہ بھی صرف اس وقت آتی تھی جب ذیشان کے کھانے کا وقت ہوتا یا اسے دوا دینی ہوتی یا پھر ماہم کو سونا ہوتا ورنہ وہ بھی نیچے ہی رہتی تھی۔

وہ سارا دن کمرے میں اکیلا پڑا رہتا۔ ٹانگ میں زخم گہرا نہیں تھا وہ سہارا لے کر چل سکتا تھا لیکن وہ سیڑھیاں اتر کر نیچے نہیں جا سکتا تھا اور نہ ہی زیادہ دیر بیٹھ سکتا تھا۔ کبھی وہ ٹیرس پر کچھ دیر کے لیے چلا جاتا مگر زیادہ تر وہ تکیوں کے سہارے بیڈ پر نیم دراز ٹی وی کے چینل بدلتا رہتا تھا اخبار دیکھتا رہتا۔ لیکن صبح سے لے کر شام تک کی تنہائی نے اسے پریشان کر دیا تھا۔

ڈاکٹر نے ابھی دو ماہ تک اسے آرام کرنے کے لیے کہا تھا اور وہ بے حد چڑچڑا ہو گیا تھا۔ معمولی سی بات اس کے مزاج کے خلاف ہو جاتی تو وہ ہنگامہ کھڑا کر دیتا۔ جب وہ بولنے پر آتا تو بولتا ہی چلا جاتا اور بعض دفعہ خاموش ہوتا تو سارا دن ایک لفظ بھی نہ کہتا۔

اس دن بھی وہ اس کا ناشتہ لے کر آئی تھی۔ اس کے بیڈ کے پاس ٹیبل پر چیزیں رکھنے کے بعد وہ کسی کام سے ڈریسنگ روم میں چلی گئی تھی۔ ذیشان نے بے دلی سے ٹیبل پر نظریں دوڑائی تھیں۔ وہ چیزیں جو وہ روز کھاتا تھا۔ آج بھی اس کے سامنے تھیں۔ فرائیڈ انڈے، بوائلڈ انڈے، بریڈ، سوپ، جیم، کوئی بھی نئی چیز نہیں تھی۔ بے دلی سے اس نے ناشتہ شروع کیا تھا۔

وہ سر جھکائے دل پر جبر کیے ہوئے ٹیبل پر جھکے چمچ سے سوپ پی رہا تھا جب اچانک ایک ننھا سا ہاتھ اس کے سامنے آ گیا تھا۔ اس نے سر اٹھایا۔ ٹیبل کو ایک ہاتھ سے تھامے دوسرا ہاتھ اس کے سامنے پھیلائے ماہم کھڑی تھی۔ وہ اپنی موٹی کالی گہری آنکھیں اس پر جمائے ہوئے تھی۔ پتا نہیں کس وقت وہ رینگتے رینگتے وہاں آ گئی تھی۔ اس نے کچھ ناگواری سے سر جھکا لیا مگر ہاتھ اب بھی اس کے سامنے تھا۔ مطالبہ واضح تھا۔ وہ کچھ کھانے کو مانگ رہی تھی۔ اس نے گردن گھما کر ڈریسنگ روم کی طرف دیکھا۔ رومیصہ ابھی بھی باہر نہیں آئی تھی۔ کچھ سوچ کر اس نے ٹیبل پر نظر دوڑائی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ اسے کیا دے۔ پھر اس نے ابلے ہوئے انڈے کا ایک ٹکڑا کچھ جھجکتے ہوئے اس کے ہاتھ پر رکھ دیا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ اب وہاں سے چلی جائے گی مگر جانے کی بجائے وہ وہیں کھڑی ہو کر انڈا کھانے لگی، وہ آرام سے ناشتہ نہیں کر پا رہا تھا۔ کن اکھیوں سے وہ اسے انڈا کھاتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ وہاں بلا کا سکون تھا۔

چند لمحوں کے بعد ہاتھ پھر اس کے سامنے تھا۔ اس نے ایک گہری سانس لی اور اس بار بریڈ کا ایک ٹکڑا اس کے ہاتھ میں تھما دیا۔ رومیصہ اسی وقت ڈریسنگ روم سے باہر آئی تھی اور ماہم کو اس کے پاس کھڑے دیکھ کر وہ کچھ گھبرا گئی تھی۔ تیزی سے اس کے پاس آ کر اس نے ماہم کو اٹھا لیا تھا اور پیشتر اس کے کہ وہ بریڈ کے پیس کو منہ میں ڈالتی اس نے اس کے ہاتھ سے وہ پیس لے کر پلیٹ میں رکھ دیا تھا۔ پھر اسے لے کر وہ اسی تیزی سے کمرے سے باہر چلی گئی تھی۔ پتا نہیں کیوں لیکن اس کی یہ حرکت اسے اچھی نہیں لگی تھی۔ اسے یوں لگا تھا جیسے اس نے بریڈ کا پیس پلیٹ میں نہیں رکھا۔ ڈسٹ بن میں پھینک دیا ہے۔ اس کی تنہائی کا احساس اور بڑھ گیا تھا۔

دوپہر تک وہ ننھا سا ہاتھ بار بار اس کے سامنے آتا رہا۔ دوپہر کو رومیصہ ماہم کو سلانے کے لیے لائی تھی۔ اسے کاٹ میں لٹانے کے بعد وہ حسب معمول اس کا لنچ لے کر آئی تھی۔ پھر وہ نیچے چلی گئی تھی۔ ماہم سونے کے بجائے کاٹ کو پکڑ کر کھڑی ہو گئی تھی۔ اکثر ایسا ہی ہوتا تھا۔ رومیصہ اسے تھپک کر چلی جاتی تھی۔ اس کے جانے کے بعد وہ کاٹ کو پکڑ کر کھڑی ہو جاتی۔ منہ سے آوازیں نکالتی اور پھر خود ہی تھک کر بیٹھتی اور سو جاتی۔

اس سے پہلے ذیشان نے کبھی اس پر دھیان نہیں دیا تھا۔ مگر آج جب ماہم کھڑی ہوئی تھی تو وہ اسے دیکھنے لگا تھا۔ وہ بھی اس کی طرف متوجہ تھی۔ وہ لنچ سامنے رکھے گردن موڑے اسے دیکھتا رہا۔ پھر اس نے لنچ پر نظر دوڑائی تھی۔ وہی لنچ تھا جو روز ہوتا تھا۔ سوپ، بریڈ، کالی مرچ میں پکی ہوئی سبزی، سلاد، دہی، پھل وہ کچھ دیر ان چیزوں کو دیکھتا رہا پھر اس نے بریڈ کا ایک پیس لیا تھا اور ماہم کے پاس چلا گیا تھا اس نے حیرانی سے اسے اپنے پاس آتے دیکھا تھا۔

ذیشان نے بریڈ اس کی طرف بڑھا دیا تھا۔ اس نے ایک قلقاری ماری تھی اور پیس پکڑ لیا تھا۔ ذیشان کو ایک عجیب سا فخر ہوا۔ لنچ کرتے ہوئے وہ وقتاً فوقتاً اسے دیکھتا رہا۔ وہ کچھ کھا رہی تھی کچھ نیچے پھینک رہی تھی۔ مگر وہ خوش تھی۔ لنچ کرنے کے بعد ذیشان اٹھ کر اس کے پاس آ گیا اور اس نے ٹشو سے۔ اس کے ہاتھ اور منہ صاف کیا اور بڑی احتیاط سے کارپٹ پر گرے ہوئے بریڈ کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں کو کافی تکلیف برداشت کرتے ہوئے اٹھایا اور ڈسٹ بن میں پھینک دیا۔ پتا نہیں کیوں لیکن وہ نہیں چاہتا تھا کہ رومیصہ کو یہ سب پتا چلے۔ رومیصہ کچھ دیر کے بعد برتن اٹھانے آئی تھی اور تب تک وہ بیڈ پر دراز ہو چکا تھا۔ اس نے جاگتی ہوئی ماہم کو ایک بار پھر لٹا کر تھپکا تھا اور برتن لے کر نیچے چلی گئی تھی۔

پھر روز یونہی ہونے لگا تھا۔ وہ لنچ میں اسے ضرور کچھ نہ کچھ کھلاتا کم از کم لنچ میں اسے تنہائی کا احساس نہیں ہوتا تھا۔ وہ رفتہ رفتہ اس سے مانوس ہوتی گئی تھی۔ اب اگر وہ اسے کچھ نہ دیتا تو وہ خود زور زور سے آوازیں نکالتی اور چیخیں مار کر اسے اپنی طرف متوجہ کر لیتی۔

اس دن بھی وہ فرش پر رینگتے ہوئے ناشتے کے وقت اس کے پاس آ کر کھڑی ہو گئی تھی۔ رومیصہ نے بال باندھتے ہوئے اسے اس کے پاس جاتے ہوئے دیکھا تھا۔ ذیشان کے پاس آ کر جب وہ اسے اٹھانے لگی تو اس نے ہاتھ کے اشارے سے اسے روک دیا۔

''اسے رہنے دو یہیں پر۔'' اس کی طرف دیکھے بغیر اس نے کہا تھا۔ وہ ہکا بکا رہ گئی۔ کچھ دیر تک وہ کچھ نہیں بول پائی پھر اس نے کہا تھا۔

''مجھے اسے نیچے لے کر جانا ہے۔''

''تم جاؤ۔ اسے میرے پاس رہنے دو۔'' وہ اسے انڈے کا ایک ٹکڑا تھماتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ وہ بے حد حیرانی کے عالم میں نیچے آئی تھی۔

بہت آہستہ آہستہ ہی سہی مگر اس کے وجود پر جمی برف پگھلنے لگی تھی۔ وہ ماہم سے مانوس ہوتا جا رہا تھا۔ اس وہ ماہم کو اپنے پاس ہی بٹھا کر کھانا کھلایا کرتا تھا۔ یہ اس کی سب سے بڑی تفریح تھی۔ بعض دفعہ وہ اسے کیلا چھیل کر تھما دیتا اور وہ خود کھاتی پھر اس کے منہ کی طرف بڑھا دیتی۔ وہ تھوڑا سا کھاتا پھر وہ خود کھاتی پھر اس کی طرف بڑھا دیتی یہ جیسے اس کے لیے کوئی دلچسپ کھیل تھا۔ اب وہ تقریباً سارا دن اس کے پاس ہی رہتی تھی اور بعض دفعہ وہ اس کی گود میں بھی آ جاتی۔

پہلے پہل جب اس نے اس کی گود میں چڑھنے کی کوشش کی تھی تو اسے بے حد عجیب لگا تھا۔ مگر وہ اس طرح اس کا کندھا پکڑے اس کی گود میں آنے کی جدوجہد کر رہی تھی کہ وہ اسے روک نہیں سکا اور پھر تو جیسے یہ روٹین ہو گئی تھی وہ اس کے پاس آ کر پہلے کی طرح کھڑے ہونے یا بیٹھنے کے بجائے اس کی گود میں آنا چاہتی تھی اور وہ اس کو اٹھا لیا کرتا تھا حالانکہ اسے گود میں اٹھانے کی وجہ سے بعض دفعہ اس کے زخموں میں تکلیف شروع ہو جاتی تھی۔

پھر پہلی دفعہ اسے محسوس ہوا تھا کہ ماہم کے پاس کوئی کھلونا نہیں ہے۔ اس نے رومیصہ سے اس بارے میں پوچھا تھا اور وہ ٹال گئی تھی۔ مگر اس کے بار بار اصرار پر اس نے کہہ دیا تھا۔

''کھلونے خریدنے کے لیے روپوں کی ضرورت ہوتی ہے۔'' وہ اس کی بات پر کچھ دیر تک اس کا چہرہ دیکھتا رہا پھر اس نے کہا۔

''نبیل نے حق مہر میں جو پانچ لاکھ روپے تمہیں دیے تھے وہ کہاں ہیں؟''

''وہ ممی کے پاس ہیں۔''

وہ اس کے جواب پر حیران ہو گیا۔ ''ممی کے پاس کیوں ہیں؟''

''نبیل کی موت کے بعد گھر سے مجھے نکالنے سے پہلے ممی نے ساری چیزیں لے لی تھیں۔'' وہ اس کی بات پر خاموش ہو گیا۔

''تمہارے پاس روپے نہیں ہوتے تھے تو تمہیں مجھ سے کہنا چاہیے تھا۔'' کچھ دیر کے بعد اس نے کہا تھا۔

''مجھے کبھی روپوں کی ضرورت ہی نہیں پڑی۔'' پتا نہیں اس کے لہجے میں کیا تھا کہ وہ قدرے بے چین ہو گیا۔

کچھ دیر بعد اٹھ کر وہ اندر ڈریسنگ روم میں گیا تھا اور جب واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں کچھ رقم تھی۔ اس نے رومیصہ کے پاس بیڈ پر رکھ دی۔ وہ بیٹھے بیٹھے چونک گئی۔

''تم کل بازار جاؤ اور اپنے اور ماہم کے لیے کچھ چیزیں خرید لاؤ۔ میں ڈرائیور کو کہہ دوں گا۔'' وہ دوبارہ بیڈ پر لیٹ گیا تھا۔

''لیکن مجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے۔'' اس نے کچھ بے قرار ہو کر کہا تھا۔

''ماہم کو تو ہے نا۔'' اس نے آنکھوں پر بازو رکھتے ہوئے کہا۔

وہ چپ چاپ اسے دیکھتی رہی۔ اس کی آنکھیں ڈبڈبا گئی تھیں۔

''تو اسے احساس ہو گیا ہے کہ ماہم کو بھی کسی چیز کی ضرورت ہو سکتی ہے۔''

اگلے دن وہ بازار گئی تھی اور تقریباً ساری رقم خرچ کر آئی تھی جو جو چیز وہ ماہم کے لیے خریدنے کے خواب دیکھتی تھی اس نے خریدی تھی اور وہ بے تحاشا خوش تھی۔ اس خوشی کو ذیشان نے بھی محسوس کیا تھا۔ جب وہ ماہم کے سامنے کھلونوں کا ڈھیر رکھ رہی تھی تو پہلی بار اس نے رومیصہ کو ہنستے ہوئے دیکھا تھا۔ اس کے زرد اور مرجھائے ہوئے چہرے پر ایک عجیب سی چمک تھی۔ وہ عجیب سا سکون محسوس کر رہا تھا۔

دن آہستہ آہستہ گزر رہے تھے اور بہت سی دیواریں گرتی جا رہی تھیں۔ ان دونوں کے درمیان چھوٹی موٹی گفتگو ہونے لگی تھی۔ کبھی موضوع گفتگو ماہم ہوتی اور کبھی وہ ویسے ہی بات کرتے جاتے۔ بعض دفعہ اسے حیرانی ہوتی۔

کیا یہ وہی ذیشان تھا جسے ماہم کی آواز تک ناپسند تھی؟ آخر اب ایسا کیا ہوا ہے؟

وہ سوچتی تبدیلی کیسے آئی تھی؟ کیوں آئی تھی اسے اس سے غرض نہیں تھی اس کے لیے تو یہی کافی تھا کہ بہر حال وہ بدل گیا تھا۔ اب کبھی کبھی جب وہ زیادہ تنہائی محسوس کرتا تو وہ رومیصہ کو اپنے پاس رہنے کے لیے کہتا۔

دو ماہ بعد جب وہ پہلی دفعہ واپس شیخوپورہ گیا تھا تو ایک عجیب سی اداسی تھی جو وہ دونوں محسوس کر رہے تھے۔ اس رات رومیصہ کو پہلی بار شدید قسم کی تنہائی کا احساس ہوا تھا پچھلے ڈھائی ماہ سے وہ اس کمرے میں تھا۔ وہ دن میں کئی بار اس کو دیکھتی تھی۔ اس کی آواز سنتی تھی۔ اب یک دم وہ سب کچھ خواب کی طرح غائب ہو گیا تھا۔ اس نے ذیشان سے کوئی توقعات وابستہ نہیں کی تھیں پھر بھی اسے خوف تھا کہ کہیں واپس جا کر وہ پھر پہلے کی طرح نہ ہو جائے۔ پتا نہیں کیوں لیکن اب نبیل کے بارے میں سوچنے سے وہ گھبرانے لگی تھی۔ وہ اس کی کوئی بات یاد نہیں رکھنا چاہتی تھی وہ ان چار ماہ کو اپنے ذہن سے نکال دینا چاہتی تھی۔

تنہائی کا احساس صرف اسے ہی نہیں ہو رہا تھا۔ ذیشان بھی اتنا ہی بے چین تھا۔ رات کو سونے سے پہلے بار بار ماہم کی آوازیں اس کے کانوں میں گونجتی رہتی۔ رومیصہ سے اسے محبت نہیں تھی مگر ماہم سے تھی کیوں تھی؟ وہ وجہ نہیں جانتا تھا شاید اس لیے کہ وہ اس کی تنہائی کی ساتھی تھی۔ یا شاید اس لیے کہ وہ نبیل کی بیٹی تھی اور نبیل وہ تھا۔ جو اس کا ہم راز تھا۔ جو اس کی خوبیوں، خامیوں سے واقف تھا۔ جس نے زندگی میں بہت دفعہ اس کی مدد کی تھی اس کا ہاتھ تھاما تھا بعض باتوں کے بارے میں سوچنے میں جتنا وقت لگتا ہے فیصلہ کرنے میں اتنا وقت نہیں لگتا تھا۔

* * *

''آپ کو اعتراض کس بات پر ہے، اگر میں ان دونوں کو اپنے ساتھ لے جانا چاہتا ہوں؟''

وہ ویک اینڈ پر گھر آیا تھا اور جب اس نے فاخرہ اور سکندر علی سے رومیصہ اور ماہم کو ساتھ لے جانے کی بات کی تھی تو دونوں نے شدید مخالفت کی تھی۔ اسے فاخرہ کی مخالفت پر حیرانی نہیں ہوئی تھی مگر سکندر علی کے رویے پر وہ ضرور حیران تھا۔

''تم بے وقوف ہو، اسے ساتھ کیوں لے جانا چاہتے ہو۔ وہ یہیں ٹھیک ہے۔'' انھوں نے اس سے کہا تھا۔

''جب آپ کے کہنے پر شادی کر لی ہے تو پھر ساتھ لے جانے میں کیا حرج ہے؟''

''میں نے تمھیں صرف شادی کرنے کے لیے کہا تھا۔ یہ نہیں کہا کہ اسے ساتھ رکھو۔ تم کسی اچھی لڑکی سے دوسری شادی کروا سے اپنے ساتھ رکھو۔ رومیصہ اور ماہم یہیں رہ سکتے ہیں۔''

وہ بولتے جا رہے تھے، کہتے جا رہے تھے۔ ایک کے بعد ایک دلیل دے رہے تھے۔ اسے سمجھا رہے تھے کہ اس کا مستقبل کتنا تابناک ہے اس کے آگے ایک طویل سفر ہے۔ ساری زندگی وہ اپنے بھائی کی بیوہ اور بچی کے ساتھ تو نہیں گزار سکتا۔ اسے اپنے بارے میں سوچنا چاہیے۔ وہ ان کا

چہرہ دیکھتا جا رہا تھا۔

چہرے کتنے عجیب ہوتے ہیں۔ راز ہوتے ہیں جب انھیں پڑھنے لگیں تو یوں لگتا ہے جیسے کچھ بھی چھپا ہوا نہیں۔ دوسری دفعہ نظر ڈالیں تو دوبارہ شروع سے پڑھنا پڑتا ہے یوں جیسے کتاب کا ورق الٹ گیا ہو۔ اس نے بھی سکندر علی کے چہرے کی کتاب کے پلٹے ہوئے ورق کو دیکھا تھا۔ سیاق وسباق وہی تھا موضوع نیا تھا۔ وہ پرسکون انداز میں ان کی باتیں سنتا رہا جب انھیں یقین ہو گیا کہ وہ قائل ہو چکا ہے تو وہ بولنے لگا۔

''پاپا! میں آپ کو کبھی نہیں سمجھ سکا، نہ کبھی سمجھ سکوں گا، شاید وجہ یہ ہو کہ میں نے کبھی آپ کو سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کی۔ بعض لوگوں کے نزدیک رشتوں سے بڑھ کر کچھ نہیں ہوتا بعض کے نزدیک بہت سی چیزیں رشتوں سے بڑھ کر ہوتی ہیں آپ دوسری کیٹیگری میں آتے ہیں۔ جب آپ نے رومیصہ سے میری زبردستی شادی کروائی تھی تو میں آپ سے بے حد ناراض تھا۔ پھر بھی مجھے یوں لگتا تھا کہ کم از کم آپ رومیصہ اور ماہم کے ساتھ مخلص ہیں۔ ان کی بھلائی چاہتے ہیں۔ میرے حقوق ضرور غصب کر رہے ہیں مگر بہرحال کسی دوسرے کو اس کے حقوق سے بھی زیادہ دے رہے ہیں۔ مگر یہ میری غلط فہمی تھی۔ پچھلے ایک سال میں آپ کو جس طرح دیکھ رہا ہوں۔ وہ روپ بے حد حیران کن ہے۔ مجھے کہنے دیں پاپا! کہ بنیادی طور پر آپ ایک بے حد خود غرض انسان ہیں۔ آپ میں اور ممی میں پتا ہے کیا فرق ہے؟''

وہ دونوں رنگ بدلتے چہروں کے ساتھ گم صم اس کی باتیں سن رہے تھے۔

''آپ کو اپنے جذبات اور احساسات چھپانے میں کمال حاصل ہے۔ ممی کو یہ فن نہیں آتا۔ آپ ہر چیز پلان کر کے کرتے ہیں۔ ممی بغیر سوچے سمجھے۔ مقصد دونوں کا ایک ہی ہوتا ہے اور نتیجہ بھی۔ آپ دوسرے کی زندگی تباہ کر دیتے ہیں بڑی خوبصورتی، بڑی ہوشیاری بڑی چالاکی ہے۔ ممی نے رومیصہ سے نبیل کی دی ہوئی ہر چیز چھین لی۔ زیورات، فلیٹ کے کاغذات، حق مہر کے روپے ہر چیز، آپ نے اس سے بڑا کمال کیا۔ اس ڈر سے کہ کہیں رومیصہ نبیل کے حصے کی جائیداد نہ مانگنے لگے آپ نے اسے مجھ سے بیاہ دیا۔ اس کے دو فائدے تھے۔ رومیصہ ساری عمر آپ کا احسان مانتی کبھی آپ کے سامنے اپنے حق کے لیے آواز نہ اٹھا سکتی، اور دوسرے یہ کہ اس کی بیٹی آرام سے یہاں پلتی رہتی جب بڑی ہوتی تو آپ تھوڑا بہت جہیز دے کر اپنی مرضی کے کسی گھرانے میں اس کی شادی کر دیتے۔ نبیل کی جائیداد آپ کے پاس ہی رہتی۔ میرا انتخاب آپ نے اس لیے کیا کیونکہ میرا نکاح ہو چکا تھا۔ آپ نے سوچا ہوگا کہ میں آرام سے یہ سب قبول کر لوں گا۔ یہ سوچ کر کہ نبیل میرا سب سے بہترین دوست تھا اور یہ سوچ کر کہ آپ یہ سب اس کی بیوی اور بچی کی بھلائی کے لیے کر رہے ہیں پھر دوسری طرف ایک اچھے خاندان کے ساتھ بھی میرا تعلق رہتا۔ ممی کی مس ہینڈلنگ کی وجہ سے ربیعہ اور میری طلاق ہو گئی آپ کی پلاننگ کچھ خراب ہو گئی۔ مگر آپ نے یہ سوچ کر خود کو تسلی دی کہ میں رومیصہ کو بے حد ناپسند کرتا ہوں تو ضرور کسی اچھے خاندان میں دوسری شادی کر لوں گا۔ کتنی حیرانی کی بات ہے پاپا! میں آپ کا بیٹا ہوں پھر بھی یہ سب جاننے اور سمجھنے میں مجھے اتنا وقت لگ گیا۔ آپ کی پلاننگ میں میری ایک شادی تو کہیں بھی نہیں تھی نہ رومیصہ کا میرے ساتھ جانا تھا۔ مگر پاپا مجھے ان دونوں کو اپنے ساتھ ہی رکھنا ہے اور مجھے آپ دونوں سے ہر وہ چیز چاہیے جو کبھی نبیل کی ملکیت تھی یا جو کبھی رومیصہ کے پاس تھی۔ ان چیزوں پر آپ کا حق ہے نہ میرا نہ کسی اور کا۔ اگر کسی کا ان پر حق ہے تو ماہم کا یا پھر رومیصہ کا۔ میرا ارادہ اتنی لمبی چوڑی تقریر کا نہیں تھا مگر کیا کیا جائے بعض دفعہ بہت سی باتیں ان سے کہنا پڑتی ہیں

جن سے آپ کبھی ایک تلخ لفظ بھی نہیں کہنا چاہتے۔ میرے ساتھ آپ نے جو کیا میں آپ کو معاف کرتا ہوں اس کے باوجود کہ آپ دونوں نے مل کر مجھے منہ کے بل زمین پر گرایا ہے۔ آپ نے میری زندگی کا سب سے اہم فیصلہ آنکھیں بند کر کے کیا ہے۔ پھر بھی میں وہ سب بھلانے کی کوشش کروں گا۔ میں چاہتا ہوں آپ کسی دوسرے کی زندگی کے ساتھ نہ کھیلیں۔ کسی دوسرے کے بارے میں فیصلہ نہ کریں ماہم اور رومیصہ کے بارے میں تو بالکل بھی نہیں۔ اس لیے میں ان دونوں کو اپنے ساتھ لے کر جا رہا ہوں، امید کرتا ہوں آپ میرے لیے واقعی دعا کریں گے۔''

انھیں بت بنا چھوڑ کر وہ کمرے سے نکل گیا۔ سکندر علی اور فاخرہ ایک دوسرے کو دیکھ نہیں پا رہے تھے۔ شرمندگی اصلیت کھلنے پر تھی اس بات پر نہیں کہ وہ کیا تھے۔

٭

اس نے کھڑکی کھول دی۔ نرم بھیگی ہوئی ہوا سے اس کے بال اڑنے لگے تھے۔ بارش آہستہ آہستہ تیز ہوتی جا رہی تھی۔ اس نے دونوں ہاتھ کھڑکی سے باہر پھیلا دیے۔ بارش کی پھوار اس کے ہاتھوں کو بھگونے لگی تھی۔ پتہ نہیں کتنے عرصے بعد اس نے یوں بارش کو چھوا تھا۔ محسوس کیا تھا۔ اس نے گہرے سانس لینا شروع کر دیے۔

''سب کچھ کتنا خوبصورت لگ رہا ہے۔ بارش ہوا، پودے، پھول اور زندگی۔''

''مجھے زیادہ باتیں کرنا نہیں آتی ہیں نہ ہی مجھے یہ پتا ہے کہ کسی عورت کو اپنی بات کیسے سمجھائی جاتی ہے۔ پھر بھی میں کوشش کر رہا ہوں کہ تمھیں بتا سکوں کہ میں تمھارے ساتھ کیسی زندگی گزارنا چاہتا ہوں۔''

وہ کل شیخوپورہ آ گئے تھے اور رات کو اسی کھڑکی میں کھڑا وہ اس سے کہہ رہا تھا۔

''میں نبیل جتنا خوبصورت نہیں ہوں۔ نہ ہی اتنا گلیمرس ہوں میں بہت سادہ ہوں اور مجھے خوبصورتی کے بجائے کوالٹیز زیادہ اٹریکٹ کرتی ہیں۔ میں جانتا ہوں نبیل تم سے بہت محبت کرتا تھا۔ شاید میں کبھی بھی تمھیں اتنی محبت نہ دے سکوں لیکن بہر حال میں تمھاری عزت ضرور کروں گا، میں نے تم سے کبھی نفرت نہیں کی۔ میرا ذہن صرف اس شاک کو قبول نہیں کر پا رہا تھا جو اس زبردستی کے رشتے نے مجھے پہنچایا تھا۔ بہر حال اب کوشش کر رہا ہوں کہ اس ذمہ داری کو نبھاؤں۔ ربیعہ سے مجھے محبت تھی، بے تحاشا نہیں مگر محبت تھی اور اب بھی ہے۔ میرے دل میں اس کے لیے بہت خاص فیلنگز تھیں شاید وہ میں کبھی بھی تمھارے لیے محسوس نہ کر پاؤں لیکن رومیصہ یہ دانستہ طور پر نہیں ہوگا میں ماضی پرست آدمی نہیں ہوں۔ کمپرومائز کر لیا کرتا ہوں اور ان پر کبھی پچھتاتا نہیں ہوں۔ مجھے لگتا ہے تمھارے ساتھ میری زندگی اچھی گزر جائے گی کیونکہ تم میں بہت سی کوالٹیز ہیں۔ بہت صبر ہے۔ برداشت ہے، حوصلہ ہے۔''

اب وہ کھڑکی سے ٹیک لگائے بازو سینے پر باندھے اسے دیکھ رہا تھا۔

''اتنی برداشت اور اتنا صبر ہے کہ جس نے تمھیں بے حد کمزور بنا دیا ہے۔ جیسی ستی ساوتری قسم کی بیویاں ہوتی ہیں، ویسی ہی ہو تم۔''

''کسی زمانے میں ایسی عورتوں کی بہت ڈیمانڈ ہوتی ہوگی۔ اب نہیں ہے۔ اپنے حق کے لیے بولنا چاہیے۔ نہ بولیں تو ہم صرف اپنے حق

سے محروم نہیں ہوتے۔ بہت سے دوسرے لوگوں کو بھی ان کے حقوق سے محروم کر دیتے ہیں جیسے تم نے ماہم کو کر دیا تھا۔تمہارا کیا خیال تھا تم چپ رہو گی تو ایک دن دلوں میں اتر جاؤ گی۔ تمہارے صبر اور قربانی کو سب سراہیں گے۔تمہاری عظمت کے پورا زمانہ گیت گائے گا،نہیں رومیصہ! ایسا کبھی نہیں ہوتا کم از کم آج کے زمانہ میں نہیں۔ ہاں اچھی بات ہے، تھوڑی بہت برداشت اور صبر رکھنا مگر صرف تھوڑا بہت، زیادہ نہیں ورنہ دوسرے لوگ اسے آپ کی عادت اور مجبوری بنا دیتے ہیں۔ اگر میں تمہاری جگہ ہوتا تو میں نبیل سکندر سے کبھی شادی نہ کرتا۔میرا خیال ہے تم اچھی طرح جانتی ہو گی کہ وہ ایک فلرٹ ہے ایسے بندے زیادہ اچھے شوہر ثابت نہیں ہوتے اور خاص طور پر تم جیسی لڑکیوں کے لیے جن کا تعلق مڈل کلاس فیملیز سے ہو اور جن کے آگے پیچھے کوئی نہ ہو یہ زیادہ بہتر ہوتا اگر تم اپنی جیسی کسی مڈل کلاس فیملی میں شادی کر لیتیں۔ مگر تم نے بہت بڑا رسک لیا چلو میں فرض کر لیتا ہوں کہ تم اچھی زندگی گزارنا چاہتی تھیں اور یہ واحد راستہ تھا اور کون ہے جو اچھی زندگی نہیں گزارنا چاہتا ہر اچھے چانس کو Avail کرنا چاہیے تم نے بھی کیا۔''

وہ پرسکون انداز میں یوں بات کر رہا تھا جیسے اس کی نہیں کسی دوسری لڑکی کی داستان ہو، وہ نم آنکھوں کے ساتھ اسے دیکھ رہی تھی۔

''ہاں یہ سب میں نے بعد میں سوچا تھا۔'' دل نے اعتراف کیا تھا۔

''پھر نبیل کی ڈیتھ ہو گئی۔تم نے ممی کے کہنے پر سب کچھ ان کے حوالے کر دیا حالانکہ وہ سب کچھ تمہارا تھا کوئی تم سے کسی طرح بھی وہ سب کچھ چھین نہیں سکتا تھا تم نے خود کو ملازمہ بنا دیا کیوں؟ اس گھر کے باقی لوگوں جتنا حق تھا تمہارا، ہر چیز پر تم نے پاپا سے نبیل کی جائیداد کے بارے میں کیوں نہیں پوچھا؟ تمہیں پوچھنا چاہیے تھا۔ وہ کسی طرح بھی تمہیں نبیل کے حصے سے بے دخل نہیں کر سکتے تھے لیکن تم نے کبھی اس کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی پھر مجھ سے شادی کا مسئلہ سامنے آ گیا تب بھی تم احتجاج یا اعتراض نہیں کر سکیں حالانکہ تمہیں کرنا چاہیے تھا۔ پھر مجھ سے شادی کے بعد تم نے سوچا کہ میں نے تم پر بہت بڑا احساس کر دیا ہے اور تم ایک زر خرید غلام کی طرح میری خدمت کرتی رہی۔ ناز نخرے اٹھاتی رہیں تم یقین کرو رومیصہ! تمہاری کسی خدمت نے مجھے متاثر نہیں کیا۔ آج کے مرد کو یہ خاموش آنسو اور بے لوث خدمت پسند نہیں آتی ہے اور میں آج کا مرد ہوں۔ پھر تم نے کبھی مجھ سے نہیں کہا کہ میں تمہیں اخراجات کے لیے روپے دوں آخر یہ شوہر کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ ایسے مرد آج کی دنیا میں کم ہی ملتے ہوں گے جو بیوی کے مانگے بغیر بھی اس کی ہر خواہش اور ذمہ داری پوری کرتے رہیں۔ مرد سے روپے نہیں مانگو تو وہ کبھی نہیں دے گا اور یہ بات بھی اسے کبھی متاثر نہیں کرے گی کہ بیوی تو روپے بھی نہیں مانگتی، اس سے اچھی عورت دنیا میں کہاں ہے۔''

وہ اب کارپٹ کو دیکھنے لگی تھی۔

''ماہم تم سے زیادہ بہادر اور مضبوط ہے اور شاید سمجھدار بھی۔ تم نے کبھی کوشش نہیں کی کہ اس سارے مسئلے پر مجھ سے بات کرو تا کہ سب کچھ ٹھیک ہو سکے لیکن ماہم نے مجھے اگنور نہیں کیا نہ مجھ سے خوفزدہ ہوئی۔''

وہ اس کا چہرہ دیکھنے پر مجبور ہو گئی کوئی ایسی ہی بات تھی اس میں۔

''میں کھانا کھاتا تھا وہ میرے پاس آ کر ہاتھ پھیلا دیتی مجھے اسے دینا ہی پڑتا تھا۔ میں نے اسے کبھی گود میں اٹھانے کی کوشش نہیں کی، مگر وہ میری گود میں آنا چاہتی تھی اور میری اجازت لینے کے بجائے وہ میری گود میں آ جاتی ہے، اس نے کبھی پروا نہیں کی کہ مجھے یہ اچھا لگتا ہے یا نہیں اس

کے نزدیک اہم بات یہ ہے کہ میری گود میں بیٹھنا اسے اچھا لگتا ہے۔ مجھے اس کے لیے بہرحال روپے خرچ کرنے پڑے کیونکہ اس کو بہت سی چیزوں کی ضرورت تھی اس نے مجھے پاپا کہنا شروع کر دیا اسے اس لفظ کا مطلب نہیں آتا لیکن مجھے آتا ہے اور ہر بار جب وہ پاپا کہتی ہے تو میری ذمہ داری میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ وہ نبیل کی بیٹی ہے نا اسے اپنی بات منوانا اپنا حق لینا آتا ہے۔''

وہ اس کے چہرے کو دیکھ رہی تھی جس پر ایک عجیب سا رنگ تھا۔

''شاید موی نہ ہوتی تو۔'' وہ بات کرتے کرتے رک گیا اور غور سے اس کا چہرہ دیکھنے لگا۔ ''شاید آج میری بہت سی باتوں سے تمہیں تکلیف پہنچی ہوگی حالانکہ میں تمہیں تکلیف پہنچانا نہیں چاہتا تھا۔ یہ سب میں تم سے آج پہلی اور آخری دفعہ کہہ رہا ہوں دوبارہ کبھی نہیں کہوں گا ہم اچھے دوستوں کی طرح زندگی گزاریں گے۔ تم جب چاہو مجھ سے نبیل کے بارے میں بات کر سکتی ہو۔ مجھے برا نہیں لگے گا۔ میں جانتا ہوں وہ تمہاری زندگی کا ایک حصہ تھا۔ ماہم جب بڑی ہوگی تو اس سے بھی نبیل کے بارے میں بات کر سکتی ہو مجھے اس پر بھی کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔''

وہ نہیں جانتی، اسے کیا ہوا تھا بس وہ اٹھ کر اس کے پاس آ گئی تھی اور اس کے سینے سے سر ٹکا کر رونے لگی تھی۔ چند لمحوں کے بعد اس نے اپنے وجود کے گرد اس کے بازوؤں کی گرفت محسوس کی تھی۔

بارش آہستہ آہستہ تیز ہوتی جا رہی تھی۔ محل سے واپسی کا سفر آزادی کا سفر تھا۔ آزادی کے سفر کے بعد کہیں کوئی تھکن نہیں ہوتی۔ نبیل کی زندگی میں وہ ایک بڑے گھر کی چاہ میں آئی تھی۔ ذیشان کی زندگی میں وہ صرف ایک گھر کے لیے آئی تھی۔ وہ چار ماہ رہی تھی پھر کاش شروع ہو گئی تھی۔ وہ آسمان سے منہ کے بل نیچے گری تھی۔ ذیشان کے ساتھ وہ زمین پر ہی تھی۔ مگر قدم جما کر کھڑا ہونا سیکھ گئی تھی، ہر چیز دھل کر صاف نظر آنے لگی تھی۔ راستہ بھی، منزل بھی۔ اس نے ایک بار پھر کھڑکی سے باہر بازو پھیلا دیے تھے۔ دونوں ہاتھوں کی مٹھی بنا کر اس نے بارش کا پانی جمع کرنا شروع کر دیا۔

''لوگ کہتے ہیں سردیوں کی بارش بہت رلاتی ہے ایسا ہر بار تھوڑی ہوتا ہے۔'' اس نے مسکراتے ہوئے سوچا۔